خانگی زندگی

اور

اُسوۂ حسنہ

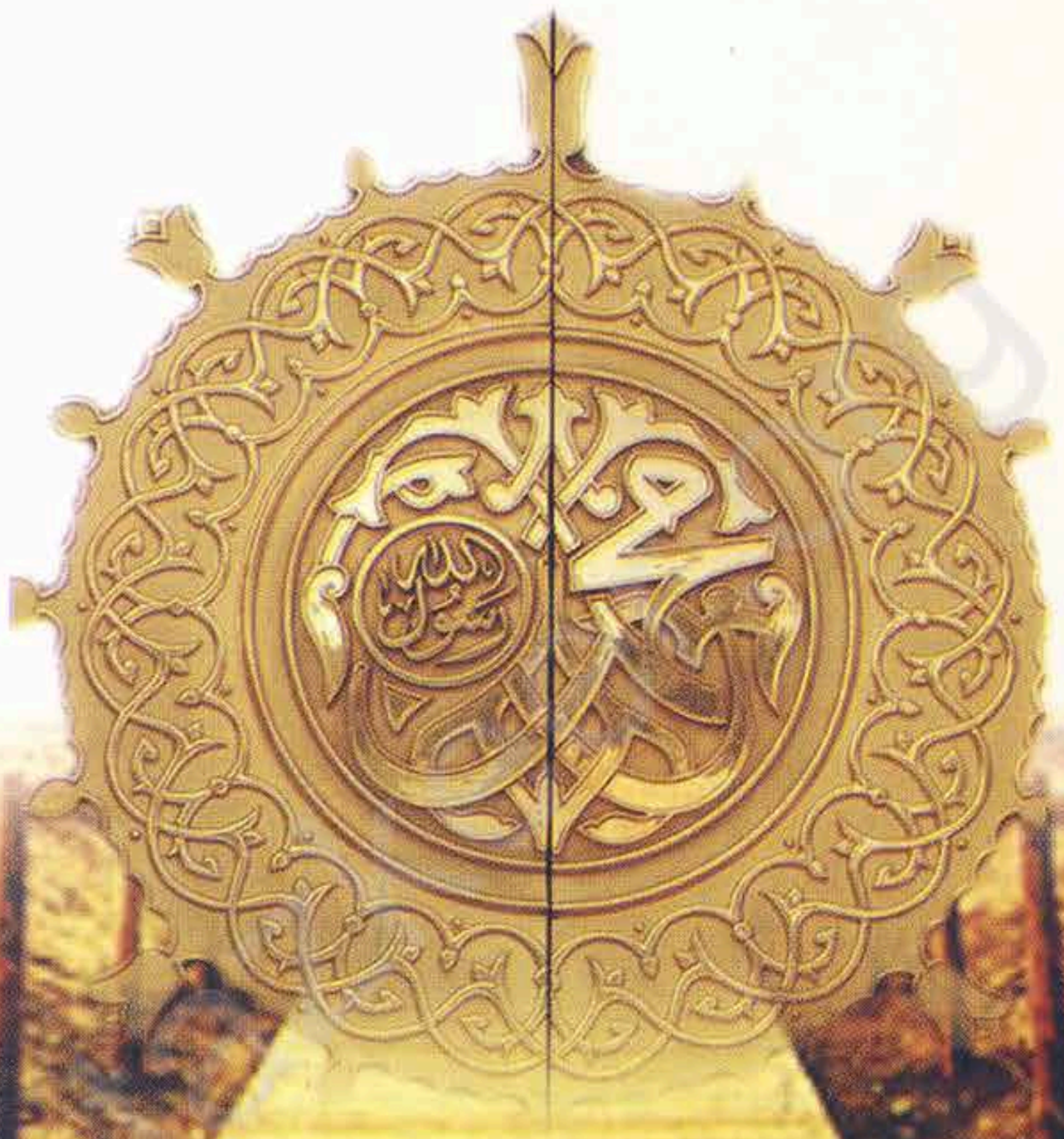

ڈاکٹر سید عزیز الرحمٰن

اسلامک ریسرچ اکیڈمی کراچی

جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ!

کتابچہ کی اشاعت کی اجازت دینے پر
''اسلامک ریسرچ اکیڈمی کراچی''
محترم مصنف کی ممنون ہے!

کتاب: خانگی زندگی اور اُسوۂ حسنہ

مصنف: ڈاکٹر سید عزیز الرحمٰن

ناشر: اسلامک ریسرچ اکیڈمی۔ کراچی
(ادارہ معارفِ اسلامی۔ کراچی)

تقسیم کنندہ: اَکیڈمی بک سینٹر
ڈی۔۳۵' بلاک۔۵' فیڈرل بی ایریا
کراچی۔۷۵۹۵۰
فون: ۳۶۳۴۹۸۴۰_۳۶۸۰۹۲۰۱(۰۲۱)

اشاعت: محرم الحرام ۱۴۳۲ھ - دسمبر ۲۰۱۰ء

قیمت: ۴۰ روپے

خانگی زندگی اور اُسوۂ حسنہ

انسانی زندگی کے بہت سے دائرے ہیں، اس کی پوری زیست اِن ہی دائروں کے گرد گھومتی ہے، اور دنیا و آخرت دونوں کی اعتبار سے کامیاب شخص وہی ہے جو ان تمام دائروں میں رہتے ہوئے اور تمام لوازمِ زیست کو برتتے اور استعمال کرتے ہوئے ان میں سے کسی ایک دائرے میں اپنے آپ کو گم نہیں کرتا اور کسی دائرے میں اس کا اپنا وجود ضم نہیں ہو جاتا، بلکہ وہ سب کو دیکھتا ہے اور برابر دیکھتا ہے، سب کے حقوق ادا کرتا ہے اور اس سلسلے میں مکمل عدل و انصاف سے کام لیتا ہے۔ وہ گھر کے اوقات دفتر کے لیے وقف نہیں کرتا، اور دفتر امور میں گھریلو زندگی کی ملاوٹ نہیں کرتا، وہ احباب کے تعلق کو نبھاتے ہوئے اہلِ قرابت کو فراموش نہیں کرتا، اور اپنی ضرورتوں کی کفالت کی خاطر اپنے متعلقین کے حقوق اور ان کی ضرورتوں سے صرفِ نظر نہیں کرتا۔ یہ تمام اخلاقی اوصاف ایسے ہیں، جنہیں سراہنے والے دنیا کے ہر کونے میں پائے جاتے ہیں اور جن کے عمدہ اور اچھے ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ لیکن اسوۂ نبوی علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کا امتیاز یہ ہے کہ اس نے ان خالص دنیاوی امور کی ڈور کو آخرت کی فلاح سے منسلک کر دیا ہے، اور کامیاب مومن اسی کو قرار دیا ہے جو ان پہلوؤں کے اعتبار سے بھی کمال و حسن رکھتا ہے، نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کی صرف یہی خوبی نہیں ہے کہ وہاں قول و عمل ایک ہیں، اور ایک کو دیکھ کر دوسرے کو بہ سہولت جانا اور پہچانا جا سکتا ہے، بلکہ اس کا ایک اہم امتیاز یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں زندگی کے یہ دائرے اپنے اپنے مدار میں یکساں فاصلے اور بالکل متناسب رفتار سے گردش کرتے نظر آتے ہیں۔ کوئی دائرہ نہ تو دوسرے سے ٹکراتا ہے، نہ دوسرے کی حدود میں مداخلت کرتا ہے، اس بات کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کرنا تو بہت آسان ہے، لیکن اس کا حق ادا کرنا کاردارد ہے، اور اسی لیے ایک مومن کامل کی پہچان بھی ہے۔

زندگی کے ان دائروں میں غالباً سب سے اہم دائرہ خانگی زندگی سے تعلق رکھتا ہے، اور یہ دائرہ پھر مزید چند چھوٹے چھوٹے دائروں میں تقسیم ہو جاتا ہے، کیونکہ گھریلو اور خانگی زندگی میں انسان کا واسطہ ان چند رشتوں سے پڑتا ہے۔

والدین، اہلِ خانہ، اولاد، اہلِ قرابت اور ملازمین۔

ان تمام رشتوں اور تعلقات کی نوعیت باہم مختلف ہے، اور انسانیت کا کمال یہ ہے کہ ان رشتوں کا امتیاز و اختلاف برقرار رہتے ہوئے ان سے روابط کو استوار رکھا جائے، انسانی فطرت یہی کہتی ہے کہ ان دائروں کی حدود باہم ٹکرانے نہ پائے، اور ان رشتوں کا تقدس و حسن بھی اسی صورت میں قائم رہ سکتا ہے، جب ان کا امتیاز برقرار رہے۔

ہر شخص اس امر سے واقف ہے کہ انسانی زیست کا یہ ایک نازک مقام ہے، اور اس باب میں نہ افراط قابلِ قبول ہے نہ تفریط۔ یہاں حد درجہ احتیاط کے ساتھ اپنے فرائض کی انجام دہی کامیابی کی کلید ہے تو ذرا سی بے احتیاطی فلاح و کامیابی کے راستے سے بھٹکانے کے لیے کافی ہے۔ ایسے میں ہمارے رسولِ اکرم نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں بہترین سبق موجود ہے، ہمیں دیکھنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دائروں کی گردش کو کس طرح مسخر کیا؟ اور کس حسنِ تدبیر سے کام لے کر افراط و تفریط کے مابین راستہ بنایا اور امت کے سامنے پیش کر دیا۔ زیرِ نظر سطور سیرتِ طیبہ کے اسی پہلو کے ایک مختصر مطالعے اور اس کے نتائج پر مشتمل ہیں۔

ہماری موجودہ حالت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں، ہمارے گھروں کی کیفیت ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارے لیے بہت بڑا سوالیہ نشان ہے، پریشان سب ہیں اور ان مصائب کے حل کے متلاشی بھی۔ مگر شاید ہم اس حقیقت سے کم واقف ہیں کہ ہماری ان پریشانیوں کا حل ہمارے اپنے گھر میں موجود ہے۔ ضرورت صرف ذرا سی توجہ سے اسے سمجھنے اور پھر اس پر بھرپور عمل کی ہے۔ کاش اسوۂ حسنہ کا یہ روشن چراغ ہمارے گھروں میں پھر سے فیروزاں ہو کر اپنی روشنی پھیلا سکے۔ آمین!

خاندان

انسان کی گھریلو زندگی اس کے خاندان کے گرد گھومتی ہے، اس لیے آغاز میں خاندان کی اہمیت پر غور کرنا ضروری ہے۔ انسانی معاشرت کا جائزہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ خاندان پوری انسانی زندگی کی اساس و بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ میاں بیوی، والدین، اولاد اور اہلِ قرابت سے تشکیل پاتا ہے اور اس کا نظام ایک اکائی کی صورت میں کام کرتا ہے، اس کے مثبت انداز میں سرگرم رہنے سے پورا معاشرہ راحت پاتا ہے اور اس میں کسی جانب سے بھی رخنہ اندازی آہستہ آہستہ پورے انسانی معاشرے کو متاثر کر ڈالتی ہے۔ اس لیے خاندان کا استحکام اور صحیح بنیاد پر اس کا استوار ہونا نہایت ضروری ہے اور خاندان کے استحکام کا دار و مدار اس امر پر ہے کہ اس کے اجزائے ترکیبی باہم ایک دوسرے سے کس حد تک مربوط ہیں۔ خاندان کے ان اجزا کو باہم مربوط رکھنے کے لیے اسلام نے واضح ہدایات فرمائیں اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں اپنے اسوۂ حسنہ کی صورت میں مثالی نمونۂ عمل عطا فرمایا ہے جو ہر دور میں ہر اعتبار سے قابلِ عمل ہے۔ جناب ڈاکٹر خالد علوی (مرحوم) کے بقول:

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاندان کو انتشار سے بچانے اور اسے استحکام بخشنے کے لیے باہمی حقوق و فرائض کا ایک سلسلہ قائم کر دیا جس پر عمل پیرا ہو کر انفرادیت پسندی، عدم اطمینان، پریشانی اور انتشار جیسے معاشرتی امراض کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ اسلام فرد اور جماعت کے تعلق میں جس توازن و اعتدال کا علمبردار ہے، اس کا تقاضا ہے کہ خاندان کی حیثیت ایک اجتماعی اکائی کے طور پر قائم رہے تاکہ اجتماعی تربیت کا ابتدائی مرکز وسیع تر اجتماعی شعور اور فلاح کے لیے موثر کام کرے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں خاندان کے جملہ عناصر ترکیبی مثلاً والدین، ازواج، اولاد، اقربا اور غلاموں کے بارے میں واضح ہدایات موجود ہیں۔(۱)

۱۔ ڈاکٹر خالد علوی/ انسانِ کامل/ الفیصل، لاہور/ص ۵۱۵

والدین

والدین انسان کے نہ صرف اس دنیا میں آنے کا سبب ہیں بلکہ اس کی اصل بنیاد اور ماخذ و مصدر سبھی کچھ ہیں۔ طبعی طور پر بھی انسان والدین کا بہت سی بلکہ اَن گنت چیزوں اور بے شمار شعبوں میں محتاج ہے۔ عادات، اخلاق، لب ولہجہ، زبان و بیان، قد کاٹھ، شکل و صورت، رسوم و رواج، پسند ناپسند وغیرہ، کتنے ہی امور انسان میں والدین کی جانب سے منتقل ہوتے ہیں اور انسان اپنی پوری زندگی میں ان سے فیض یاب ہوتا اور فائدے اٹھاتا ہے۔ اس لیے انسان پر والدین کے احسانات لامتناہی اور نہ ختم ہونے والے ہیں، اسی لیے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی اولاد اپنے باپ کا بدلہ نہیں چکا سکتی، سوائے اس کے کہ باپ کو کسی کے پاس غلام دیکھے اور اسے خرید کر آزاد کر دے۔ (۲)

قرآنِ حکیم نے والدین کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا ہے جس کے مفہوم میں حسنِ سلوک اور ان کی اطاعت و تابعداری شامل ہے۔ پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ قرآنِ حکیم نے اللہ کی عبادت کرنے اور اس کے ساتھ شرک نہ کرنے کی تلقین کرنے کے فوراً بعد والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے، فرمایا:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا. (۳)

''اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کرو۔''

۲۔ الترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ / الجامع السنن / دارالفکر، بیروت، ۱۹۹۴ء / ج ۳، ص ۳۶۳، رقم ۱۹۱۳، ☆ مسلم، ابوالحسین بن حجاج / الصحیح / دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۸ء / ج ۲، ص ۴۲۳، رقم ۱۵۱۰، ☆ ابنِ ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید / السنن / دارالمعرفہ، بیروت ۱۹۹۸ء / ج ۴، ص ۵۱۷، رقم ۳۶۵۹

۳۔ سورۂ نساء، آیت ۳۶

اور دوسرے مقام پر والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی اس طرح تلقین فرمائی گئی۔

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًاط اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَآ اَوْ کِلٰھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْھُمَا وَ قُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًاo وَ اخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْھُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًاo(۴)

''اور تمہارے رب نے فیصلہ کر دیا کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرو۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو ''ہوں'' بھی نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو اور ان سے ادب سے بات کرو اور ان کے لیے اطاعت کا بازو محبت سے جھکاؤ اور کہو کہ اے میرے پروردگار تو ان دونوں پر رحمت فرما جس طرح انہوں نے بچپن میں مجھے پالا۔''

حقیقت یہ ہے کہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کی یہ تعلیم تمام آسمانی کتب کا حصہ ہے، چنانچہ تورات و انجیل کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے، تورات میں فرمایا گیا:

''تم میں سے ہر ایک اپنی ماں اور باپ سے ڈرتا رہے۔''(۵)

''اور جو کوئی اپنے باپ یا اپنی ماں پر لعنت کرے گا، مار ڈالا جائے گا جس نے اپنے باپ یا اپنی ماں پر لعنت کی ہے اس کا خون اسی پر ہے۔''(۶)

''تو اپنے ماں باپ کو عزت دے تا کہ تیری عمر اس زمین پر جو خداوند تجھے دیتا ہے دراز ہو۔''(۷)

اور انجیل میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''کیونکہ خدا نے فرمایا ہے کہ اپنے ماں باپ کی عزت کر اور جو ماں باپ پر لعنت کرے، جان سے مارا جائے، پر تم کہتے ہو کہ جو کوئی اپنے باپ یا ماں کو کہے کہ جو کچھ مجھے تجھ کو دینا واجب ہے سو خدا کی نذر ہو اور اپنے ماں باپ کی عزت نہ

۴۔ سورۂ بنی اسرائیل آیات ۲۳۔۲۴ ۵۔ احبار/ ج ۲۰/ ص ۱۹

۶۔ احبار/ ج ۱۹، ۲۰، ☆ خروج/ ج ۷، ص ۲۱ ۷۔ خروج/ ج ۱۲، ص ۲۰

کرے تو کچھ مضائقہ نہیں، پس تم نے اپنی روایت سے خدا کے حکم کو باطل کیا۔"(۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کے مال اور جان دونوں کو اس کے والد کی ملک قرار دیا۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا:

ان لی مالا و ولدان، و ان ابی یحتاج الی مالی.

"میرے پاس مال و دولت بھی ہے اور میں صاحبِ اولاد بھی ہوں۔ میرے والد کو میرے مال کی احتیاج ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انت ومالک لا بیک.(۹)

"تم بھی اور تمہارا مال بھی دونوں تمہارے باپ کے ہیں۔"

ایک اور روایت میں آپ نے والدین کی خدمت کو جہاد قرار دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا میں جہاد میں شریک ہوسکتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے والدین (زندہ) ہیں۔ اس نے عرض کیا کہ ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر انہی میں جہاد کرو، یعنی ان کی خدمت کرو۔(۱۰)

دوسری روایت میں آتا ہے، حضرت ابوامامہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۸۔ متی۔ تورات وانجیل کے مذکورہ تمام حوالے سیرت النبی/ ج۶ سے ماخوذ ہیں۔

۹۔ ابنِ ماجہ/ ج۳، ص۵۲، رقم ۲۲۹۲، ☆ابنِ حبان، ابو حاتم محمد بن حبان التمیمی (م۳۵۴ھ) / الصحیح / موسسۃ الرسالہ، بیروت، ۱۹۹۳ء/ ج۲، ص۱۴۲، رقم ۴۰۱، ☆ بیہقی، ابو بکر احمد بن حسین / السنن الکبریٰ / دارالفکر، بیروت، ۱۹۹۶ء/ ج۷، ص۴۸۰، ۱۵۵۲۷

۱۰۔ بخاری، محمد بن اسماعیل بن ابراہیم / الصحیح / مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر ۱۹۵۳ء/ ج۴، ص۳۴، ☆مسلم، ابوالحسین بن حجاج / الصحیح / دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۸ء/ ج۴، ص۱۶۳، رقم ۲۵۴۹، ☆ترمذی/ ج۳، ص۲۵۵، رقم ۱۶۷۷

هما جنتک و نارک. (۱۱)

''والدین تمہاری جنت بھی ہیں (اگر ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرو) اور تمہاری دوزخ بھی (اگر ان کی نافرمانی کرو)۔''

ایک روایت میں والدین کی خدمت کو رزق میں اضافے اور عمر کی درازی کا سبب قرار دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من سرہ ان یمد لہ فی عمرہ، و یبارک لہ فی رزقہ، فلیبر والدیہ. (۱۲)

''جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اس کی عمر دراز ہو اور اس کے رزق میں اضافہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے اور ان کی صلہ رحمی کرے۔''

پھر یہی نہیں بلکہ مشرک ماں کی خدمت کو بھی لازم قرار دیا۔ حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ میری ماں میرے پاس آئی۔ اس وقت وہ مشرکہ تھی، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میری ماں میرے پاس آئی ہوئی ہے اور وہ مجھ سے مالی امداد کی طالب ہے۔ کیا میں اس کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا: ضرور، اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔ (۱۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کی خدمت کو اللہ کی رضامندی کا باعث بھی بتایا ہے۔ چنانچہ مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو نیک اولاد ماں باپ پر محبت بھری ایک نظر ڈالتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کو ایک حجِ مقبول کا ثواب عطا فرماتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر کوئی ایک دن میں سو بار اس طرح رحمت و محبت کی نظر ڈالے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ اگر کوئی سو بار ایسا کرے تب بھی۔ اللہ تعالیٰ (تمہارے تصور سے) بہت بڑا اور ہر طرح کے عیبوں سے

۱۱۔ ابن ماجہ/ ج ۴، ص ۵۱۷، رقم ۳۶۶۲

۱۲۔ احمد بن محمد بن حنبل/ المسند/ داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۹۹۳ء/ ج ۴، ص ۱۶۹

۱۳۔ بخاری، کتاب الھبہ، باب الھدیہ للمشرکین، ☆ ابو داؤد، سلمان بن الشعث السجستانی/ السنن/ دارالفکر، بیروت، ۱۹۹۴ء/ ج ۲، ص ۴۹، رقم ۱۶۶۸، ☆ مسلم/ ج ۲، ص ۹۰، رقم ۱۰۰۳

بالکل پاک ہے۔(۱۴)

اور ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک صحابی کے پوچھنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

نعم الصلاة عليهما، والاستغفار لهما، و ايفاء بعهود دهما من بعد موتهما، و اكرام صديقهما، و صلة الرحم التى لا توصل الابهما. (۱۵)

''والدین کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی صورت یہ ہے کہ تم ان کے لیے دعا واستغفار کرو، جو عہد وہ پورا نہ کر سکے ہوں تم اس کو پورا کرو، ان کی وجہ سے جس کے ساتھ صلہ رحمی ہو سکتی تھی وہ کرو اور ان کے دوستوں کا احترام کرو۔''

پھر چونکہ اولاد کی پرورش میں ماں کی محنت اور مشقت زیادہ ہوتی ہے، اس سلسلے میں اسی زیادہ تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس لیے اسلام کی نگاہ میں ماں کا درجہ بھی باپ سے بڑھا ہوا ہے۔ ایک روایت میں ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کو حسنِ معاملہ کا مستحق قرار دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے اچھے معاملے کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیری ماں۔ اس نے عرض کیا کہ پھر کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیری ماں۔ اس نے عرض کیا کہ پھر کون ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیری ماں۔ اس نے عرض کیا کہ پھر کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تیرا باپ۔(۱۶)

ایک اور روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں یا اس کی قائم مقام یعنی خالہ کی خدمت کو توبہ کی قبولیت کا سبب بتایا چنانچہ حضرت ابنِ عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں نے بعض بڑے گناہ کیے ہیں، کیا ان کی توبہ

۱۴۔ مشکوٰۃ المصابیح، محمد بن عبداللہ الخطیب العمر تبریزی، مطبع مجتبائی، دہلی/ کتاب البر والصلۃ۔

۱۵۔ ابنِ ماجہ/ ج ۴، ص ۵۱۸، رقم ۳۶۶۴ ☆ ابو داؤد/ ج ۴، ۳۷۴، رقم ۵۱۴۲، ☆ حاکم، ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ النیسابوری/ المستدرک/ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۰/ ج ۴، ص ۱۷۱۔

۱۶۔ بخاری/ ج ۴، ص ۳۴، ☆ ابنِ ماجہ/ ج ۴، ص ۵۱۶، رقم ۳۶۵۸۔

ہوسکتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کیا تمہاری ماں زندہ ہے؟ اس نے عرض کیا نہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کوئی خالہ ہے۔ اس نے کہاں ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بس ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرو۔ (یہی ان بڑے گناہوں کی توبہ ہے)۔(۱۷)

اس کے برعکس والدین کی نافرمانی کرنے والے اوران کی خدمت نہ کرنے والے شخص کو بدقسمت ترین شخص قرار دیا، حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رغم انف، ثم رغم انف، قیل، من یا رسول اللہ، من ادرک ابویه عند الکبر، احدهما او کلیهما فلم یدخل الجنة. (۱۸)

''وہ شخص رسوا ہوا، بے عزت ہوا۔ لوگوں نے دریافت کیا، کون یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ آپ نے فرمایا کہ وہ جس نے اپنے ماں باپ، دونوں کو یا کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور (ان کی خدمت کر کے) جنت میں داخل ہونے کا موقع حاصل نہ کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین بہت پہلے وفات پا گئے تھے، آپ کے والد حضرت عبداللہ صحیح قول کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے دو ماہ پہلے انتقال کر گئے تھے، جب کہ اس وقت خود ان کی عمر ۱۸ سال تھی،(۱۹) جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ کے انتقال کے وقت آپ کی عمر مبارک صرف ۶ برس تھی، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی خدمت کا موقع بھی نہ مل سکا۔(۲۰) لیکن آپ صلی اللہ علیہ

۱۷۔ ترمذی/ ج۳، ص۳۶۲، رقم۱۹۱۱، ☆ حاکم/ ج۴، ص۱۷۱۔ ۱۸۔ مسلم/ ج۴، ص۱۶۵، رقم۲۵۵۱۔

۱۹۔ تفصیل و دیگر اقوال کے لیے دیکھیے: زرقانی علی مواہب اللدنیہ، ابوعبداللہ محمد بن عبدالباقی، دارالمعرفہ، بیروت، ۹۳ء/ ج۱، ص۱۰۹، ☆ علی بن برہان الدین الحلبی / انسان العیون (سیرتِ حلبیہ) دارالحیاء التراث العربی، بیروت/ ج۱، ص۸۴۔

۲۰۔ ابن سعد، محمد بن سعد بن منیع البصری/ الطبقات/ دارالکتب العلمیہ، ۱۹۹۷ء/ ج۱، ص۵۵۔ ☆ ابن سید الناس، ابوالفتح محمد بن محمد عیون الاثر/ مکتبہ دارالتراث، مدینہ منورہ ۱۹۹۲ء/ ج۱، ص۹۹۔

وسلم کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ جن کا ہوازن کے معزز و معروف قبیلے بنوسعد سے تعلق تھا، اور جن کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیا تھا، وہ کافی عرصے حیات رہیں۔ انہوں نے جس شفقت و محبت سے آپ کی پرورش کی اس کا صلہ آخرت میں تو ملے گا ہی، دنیا میں بھی ان کے وہم و گمان سے بڑھ کر ملا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو عہدِ رسالت تک زندہ رکھا اور اسلام سے مشرف فرمایا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کو ماں کے برابر سمجھتے تھے اور ان سے بے حد محبت فرماتے تھے۔ ایک دفعہ وہ آپ سے ملنے آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں میری ماں کہہ کر ان سے لپٹ گئے۔ اسی طرح آپ کو اپنے رضاعی بھائی اور بہنوں سے بھی بڑی محبت تھی، خصوصاً حذیفہ سے جو شیماء کے لقب سے مشہور ہیں، یہ بڑی تھیں اور حضور کی خدمت کیا کرتی تھیں، غزوۂ حنین کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی تھیں تو آپ نے ان کے بیٹھنے کے لیے اپنی چادر مبارک بچھا دی تھی۔ (۲۱)

اسی طرح حضرت ابو طفیلؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جعرانہ (ایک جگہ کا نام) میں گوشت تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک عورت آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت قریب پہنچ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے اپنی چادر بچھا دی اور وہ اس پر بیٹھ گئیں۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ آنحضرت کی رضاعی ماں ہیں۔

ابوداؤد کی مراسیل کی ایک روایت میں ذکر ملتا ہے عمر بن سائب روایت کرتے ہیں کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کہ آپ کے رضاعی والد تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے اپنے کپڑے کا کچھ بچھا دیا، جس پر وہ بیٹھ گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی والدہ تشریف لائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کپڑے کا مزید حصہ ان کے لیے دراز فرما دیا، وہ بھی اس پر تشریف فرما ہو گئیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تشریف لائے تو آپ کھڑے ہو گئے اور انہیں اپنے سامنے بٹھا دیا۔ (۲۲)

۲۱۔ بن ہشام، السیرۃ النبویہ/ دارالمعرفہ، بیروت، ۱۹۷۸ء/ ج ۱، ص ۱۸۵، ☆ عیون الاثر/ ج ۱، ص ۹۳۔

۲۲۔ البدایۃ والنہایہ/ ج ۳، ۳۹۳۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اہلِ قرابت خصوصاً والدین کے بارے میں اس قدر احترام کے جذبات رکھتے تھے کہ ابولہب کی باندی ثوبیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف ایک دو روز دودھ پلایا تھا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا بھی بہت احترام فرماتے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد ثوبیہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھیں، ہجرت کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی مدینہ منورہ سے ان کے لیے تحفہ بھیجتے، مکہ فتح ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثوبیہ اور ان کے بیٹے مسروح کے بارے میں دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ دونوں کا انتقال ہو چکا ہے۔ پھر فرمایا کہ اس کے عزیزوں میں سے کوئی زندہ ہے تا کہ اس کے ساتھ کچھ حسنِ سلوک اور احسان فرمائیں تو معلوم ہوا کہ اس کے رشتہ داروں میں سے بھی کوئی زندہ نہیں ہے۔ (۲۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل سے اس دلی احترام کا پتا چلتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اپنے رضاعی رشتے داروں کے لیے تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہماری اس بارے میں رہنمائی کرتا ہے کہ اپنے والدین اور قریبی عزیزوں کے ساتھ ہمارا رویہ، انداز اور برتاؤ کس قدر قربت، محبت اور احترام پر مبنی ہونا چاہیے۔

آج ہمارے گھروں میں اس حوالے سے جو صورتِ حال پیدا ہوتی جا رہی ہے، اس کے لیے ان سطور میں ہدایت و رہنمائی کا بہت سامان موجود ہے، ہم بعض اوقات لاپروائی میں، کبھی ناواقفیت میں اور کبھی جانتے بوجھتے ایسی باتیں کر جاتے ہیں جو احترامِ والدین کے منافی ہیں، بعض اوقات ہمارے رویے ان تعلیمات کے شایانِ شان نہیں ہوتے، یہ سب باتیں ہمارے لیے لمحۂ فکریہ ہیں۔ ہم سب کو اس حوالے سے اپنی زندگیوں کا جائزہ لینا چاہیے۔

۲۳۔ محمد بن سعد بن منیع البصری الزہری / الطبقات الکبریٰ / دار صادر، بیروت، ۱۹۵۷ء، ☆ السہیلی، عبدالرحمٰن بن عبداللہ / الروض الانف / دارالمعرفہ، بیروت، ۱۹۷۸ء / ج ۱، ص ۱۸۶۔

بحیثیتِ شوہر

عفت وعصمت ان چیزوں میں سے ہے جن کی حفاظت اسلام کے بنیادی مقاصد میں سے ہے، عفت وعصمت کا جذبہ فطرتِ انسانی میں ودیعت کیا گیا ہے، مرورِ زمانہ سے اس میں اگر تغیر آیا بھی ہے تو اس کے اسباب خارجی نوعیت کے ہیں، اوران سے صرف یہ ثابت کیا جاسکتا ہے کہ انسانی فطرت جہاں پر ان کے اثرات قبول کر کے مسخ ہو جاتی وہاں اس قسم کے حادثات جنم لیتے ہیں، عفت وعصمت کی حفاظت کے لیے اسلام نے نکاح کا پورا قانون وضع کیا اوراس پر چلنے کی ترغیب دی۔ سورۂ نور میں فرمایا:

وَاَنکِحُوا الْاَیَامٰی مِنکُمْ وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَاِمَآئِکُمْ. (۲۴)

''اورتم میں سے جو مجرد ہوں ان کا نکاح کر دیا کرو۔ اور تمہارے غلام اور باندیاں جو نیک ہوں ان کے بھی (نکاح کر دیا کرو)۔''

تعلیمات اسلام اعتدال کا دوسرا نام ہے، اسلام انسانوں کو نہ تو فرشتہ بننے پر مجبور کرتا ہے اور نہ وہ ان کا شیطان بننا گوارہ کرتا ہے، بلکہ وہ چاہتا ہے کہ انسان اپنے دائرے میں رہ کر زندگی گزارے اور یہی اس کا کمال ہے۔ وہ کھانا پینا نہ چھوڑے اور روزے بھی رکھے، اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کرے اور راحت و آرام بھی۔ شادی کر کے جنسی میلان بھی پورا کرے، مگر عفت وعصمت کی حفاظت کے وقت فرشتہ بھی بن جائے، گویا وہ ایک ایسا انسان ہو جس کے اندر ملکوتی صفات بھی ہوں اور انسانی اوصاف بھی۔ یہ بات انسانی جدوشرف کے خلاف ہے کہ وہ اپنے دامنِ عفت کو آلودہ ہوتے ہوئے دیکھ کر برداشت کرے۔ جنسی میلان کی تکمیل اگر انسان کا پیدائشی حق ہے تو اسی کے ساتھ ناجائز طریقوں سے اجتناب اس کا دینی اوراخلاقی فریضہ ہے۔(۲۵)

۲۴۔ سورۂ نور، آیت ۳۲۔

۲۵۔ مولانا محمد ظفرالدین مفتاحی ندوی/ اسلام کا نظامِ امن/ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی، ۱۹۹۱ء/ص ۳۴۷

اسی بنا پر نکاح کی ترغیب دیتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباء فلیتزوج فانه أغض للبصر و أحصن للفرج. (۲۶)

''اے نوجوانو! تم میں سے جو طاقت رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ شادی کر لے، اس لیے کہ یہ نگاہ کو پست رکھتی ہے اور شرم گاہ کی محافظ ہے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حوالے سے جن بنیادی باتوں کی تلقین کی ان میں یہ بات سرفہرست تھی کہ انسان اس میدان میں بھی اعتدال کو سامنے رکھے اور اس کا طرزِ عمل افراط وتفریط دونوں سے بالکل پاک ہو۔ چنانچہ ایک دفعہ تین صحابۂ کرامؓ کا شانۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئے اور آپ کی عبادت کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہیں۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا کہ میں پوری رات شب بیداری میں گزارا کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزے سے رہوں گا، تیسرے نے کہا میں کبھی عورت کے پاس نہیں جاؤں گا۔ اس گفتگو کی اطلاع جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ نے ان سے فرمایا کہ تم لوگوں نے یہ کیا بات طے کی ہے، خدا کی قسم! میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتا ہوں، اور اس کا اطاعت گزار بھی ہوں۔ لیکن کیا تم نہیں جانتے کہ میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور رات میں سوتا بھی ہوں، نکاح بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے تعلق بھی رکھتا ہوں، لہٰذا سن لو کہ نکاح میری سنت ہے، جو شخص میرے اس طریقے سے اعراض کرے گا وہ مجھ سے نہیں ہے۔ (۲۷)

نکاح ایک کثیر المقاصد فریضہ ہے، جس پر خاندان کی عمارت استوار ہوتی ہے، دو افراد (مرد وعورت) سے مل کر بننے والا، چھوٹا سا اجتماعی دائرہ انسان کی معاشرتی حیات کا پہلا قدم ہے، نکاح کی حیثیت باہم مکمل رضامندی سے ہونے والے اس کھلے معاہدے کی سی ہے

۲۶۔ بخاری/ کتاب النکاح۔ باب من لم یستطع الباءۃ فلیصم، ☆ابن حبان/ ج۹، ص ۳۳۵، رقم ۴۰۲۶، ☆الداری، عبداللہ بن عبدالرحمٰن/ السنن/ قدیمی کتب خانہ کراچی/ ج۴، ص ۱۷۷، رقم ۲۱۶۵۔

۲۷۔ بخاری باب الترغیب فی النکاح۔

جسے پورے اعتماد کے ساتھ علانیہ طور پر کیا جاتا ہے۔ نکاح کے بغیر مرد وزن کا تعلق بدترین معصیت اور ایک ایسا جرم ہے جس کی سخت ترین سزا مقرر ہے۔ معاہدۂ نکاح کے ذریعے دونوں اپنے اوپر بھاری ذمہ داریاں عائد کر لیتے ہیں اور ہمیشہ کے لیے ان کے پابند ہو جاتے ہیں۔ اس رشتے کی وجہ سے جو ایک چھوٹی سی وحدت بنتی ہے، مرد اس کا نگراں ہوتا ہے اور اس حیثیت سے اپنے اہل وعیال کی دنیوی ضرورتوں اور اخروی فلاح دونوں کا خیال رکھنا اس کے فرائضِ منصبی کا حصہ ہے جس کے لیے وہ جواب دہ ہے اور بیوی اس کے زیرِ ہدایت گھر کا نظم ونسق چلاتی ہے اور اس حیثیت سے اس کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ نہ صرف گھر کے اندرونی نظم ونسق کو سنبھالے بلکہ شوہر کی حقیقی رفاقت کرے اور اپنی عفت کو پوری طرح محفوظ رکھے۔ (۲۸)

چونکہ انسانی زندگی کا سب سے پہلا دائرہ اس کی گھریلو زندگی ہے اور اس کا زیادہ تر وقت اپنے اہل وعیال میں گزرتا ہے، اسی لیے ہر شخص اپنے اہل وعیال سے گہری محبت بھی رکھتا ہے اور ان کے ساتھ ایثار وقربانی کا سلوک بھی کرتا ہے۔ آدمی چونکہ اہلِ خانہ کے ساتھ اپنا زیادہ وقت گزارتا ہے۔ اس لیے وہ غیروں کے سامنے تو اپنی وضع اور بھرم برقرار رکھ سکتا ہے مگر اپنے اہلِ خانہ اور خدمت گاروں کے سامنے یہ وضع اور بھرم قائم رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ ان سے اپنی بدمزاجی، درشت خوئی، غصہ اور ایسے ہی دوسرے عیوب کو چھپا نہیں سکتا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ، اسوۂ حسنہ اور عادات واخلاق کا ایک سب سے امتیازی پہلو یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی میں ان چیزوں کا شائبہ تک نہیں ملتا۔ (۲۹)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیتِ شوہر بھی ہمارے لیے مثالی اسوۂ حسنہ رکھتے ہیں، جس سے روشنی حاصل کر کے ہم اپنے گھروں کو روشن تر کر سکتے ہیں۔

قرآنِ کریم میں شوہروں کو حکم دیا گیا:

۲۸۔ پروفیسر خورشید احمد/ اسلامی نظریۂ حیات/ شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ، کراچی یونیورسٹی، کراچی، ۱۹۹۳ء/ ص ۴۱۷۔ ۲۹۔ سید فضل الرحمٰن/ ہادی اعظم ﷺ/ زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۰۰ء/ ج ۱، ص ۵۲۰۔

وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ... (۳۰)

''اوران کے ساتھ اچھی طرح زندگی بسر کرو۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اس کی عملی تصویر تھی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خیر کم خیر کم لا ھلی، و انا خیر کم لاھلی. (۳۱)

''تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہے اور میں اپنے گھر والوں کے لیے تم سے بہتر ہوں۔''

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں تشریف لاتے تو آپ کا معمول کیا ہوتا تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

کان انس الناس و اکرم الناس و کان رجلا من رجالکم الا انه کان ضحاکا بساما. (۳۲)

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی انس ومحبت سے پیش آنے والے، گھل مل جانے والے اور انتہائی شریف النفس اور حلیم الطبع تھے۔ اگرچہ بظاہر وہ تم مردوں کی طرح مرد تھے لیکن انتہائی شگفتہ مزاج ان کے لبوں پر مسکراہٹ کھیلتی رہتی۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے حسنِ سلوک کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا کہ ایمان کے اعتبار سے مومنوں میں سب سے کامل وہ لوگ ہیں جو ان میں سے زیادہ حسنِ خلق والے ہیں اور تم میں سے بہتر وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے لیے اخلاق کے لحاظ سے بہتر ہیں۔ (۳۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ عورتوں کے ساتھ اچھے سلوک، پرہیز گاری اور صلح جوئی کی زندگی بسر کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض

۳۰۔ سورہ ۴ نساء آیت ۱۹۔ ۳۱۔ ترمذی/ ج ۵، ص ۴۷۵، رقم ۳۹۲۱ ☆ ابن ماجہ/ ج ۲، ص ۶۲۹، رقم ۱۹۷۷، ☆ مستدرک/ ج ۳، رقم ۵۳۵۹، ۳۲۔

۳۲۔ اسحاق بن ابراہیم بن مخلد بن راہویہ/ مسند اسحاق بن راھویہ (م ۲۳۸ھ)/ مدینہ منورہ، مکتبۃ الایمان، ۱۹۹۱ء/ ج ۳، ص ۱۰۰۸، رقم ۱۷۵۰، ۳۳۔ ترمذی/ ج ۲، ص ۳۸۷، رقم ۱۱۶۵۔

کی، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بیوی کا شوہر پر کیا حق ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان یطعمها اذا طعم و ان یکسوها اذا اکتسی ولا یضرب الوجه ولا یقبح ولا یهجر الا فی البیت. (۳۴)

''جب خود کھائے تو اس کو کھلائے، جب خود پہنے تو اس کو پہنائے۔ نہ اس کے منہ پر تھپڑ مارے، نہ اس کو برا بھلا کہے اور اگر اس سے علیحدگی اختیار کرنی پڑے تو یہ گھر کے اندر ہی ہو، یعنی خفا ہو کر گھر نہ چھوڑ دو۔''

عورتوں کے مزاج میں حساسیت، عجلت، ضد اور ان سے ملتی جلتی صفات کا تناسب زیادہ ہوتا ہے۔ یہ باتیں ان کی فطری ساخت اور مزاج کا حصہ ہیں جن سے صرفِ نظر کرنا ممکن نہیں۔ نہ انہیں تبدیل کیا جاسکتا ہے لیکن بعض اوقات مرد حضرات خواتین کی ان نفسیاتی کیفیتوں کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کی ضد کے مقابلے میں سختی سے کام لے کر ان کی ضد اور ٹیڑھے پن کو نکال دیں۔ ایسے مردوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نہایت عمدہ تشبیہ کے ذریعے نصیحت فرمائی۔ آپ نے فرمایا:

ان المراه کالضلع اذا ذهبت تقیمها کسرتها، و ان ترکتها استمتعت بها و فیها عوج. (۳۵)

''عورتوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو کیونکہ ان کی پیدائش پسلی سے ہوئی ہے۔ جس سے اس کے ٹیڑھے پن کے ساتھ تم جس قدر کام لے سکتے ہو لو۔ اگر تم اس کو سیدھا کرنے کی فکر کرو گے تو اس کو توڑ ڈالو گے۔''

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روایت میں مردوں کو بیویوں کے معاملے میں خوش، قانع اور راضی رہنے کا ایک نہایت عمدہ نسخہ بتایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا یفرک مومن مومنة، ان کره منها خلقا رضی منها آخر، او قال، غیره. (۳۶)

۳۴۔ ابنِ ماجہ کتاب النکاح / ج ۲، ص ۵۹۰، رقم ۱۸۵۰۔

۳۵۔ بخاری کتاب النکاح باب الوصاۃ بالنساء ☆ مسلم / ج ۲، ص ۳۸۱، رقم ۱۴۶۸، ☆ بیہقی / ج ۱۱، ص ۱۳۵، ☆ حاکم / ج ۴، ص ۱۹۲۔ ۳۶۔ مسلم / ج ۲، ص ۳۸۱، رقم ۱۴۶۸۔

''کوئی ایمان والا شوہر اپنی مومن بیوی سے نفرت نہ کرے۔ اگر اس کی کوئی عادت ناپسندیدہ ہوگی تو اس کی کوئی دوسری عادت پسندیدہ بھی ہوگی۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری طرف خواتی کو بھی مردوں کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے اور انہیں خیر وفلاح کے راستے پر گامزن رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو شوہر کی مکمل اطاعت کرنے کا حکم دیا اور یہاں تک فرمایا:

لو کنت آمرا احد أن یسجد لأحد، لأمرت المرأة ان تسجد لزوجها(۳۷)

''اگر میں اللہ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔''

اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایما امرأة باتت و زوجها عنها راض، دخلت الجنة. (۳۸)

''جس عورت کا اس حالت میں انتقال ہوا کہ اس کا شوہر اس سے راضی تھا، تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورت پر سب سے زیادہ حق اس کے شوہر کا ہے اور مرد پر سب سے زیادہ حق اس کی ماں کا ہے۔(۳۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تقویٰ کے بعد صالح عورت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں کہ شوہر اس کو جو کہے وہ مانے اور شوہر جب اس کی طرف دیکھے تو وہ اس کو خوش کردے اور اگر شوہر اس کو قسم دے کر کچھ کہے تو وہ اس کی قسم پوری کردے اور شوہر گھر پر نہ ہو تو اپنے آپ کی اور اس کے مال کی پوری حفاظت کرے۔(۴۰)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ ہمارے لیے اس حوالے سے بھی مثالی نمونے

۳۷۔ ترمذی ج ۲، ص ۳۸۶، رقم ۱۱۶۲، ☆ مستدرک/ ج ۴، ص ۱۹۰، ☆ بیہقی / ج ۱۱، ص ۱۲۹۔

۳۸۔ ترمذی/ ج ۲، ص ۳۸۶، رقم ۱۶۴ ☆ ابنِ ماجہ/ ج ۲، ص ۵۹۲، رقم ۱۸۵۴۔

۳۹۔ علی متقی الہندی/ کنز العمال/ التراث الاسلامی، بیروت/ رقم ۴۴۷۷۱ ۴۰۔ مستدرک/ ج ۲، ص ۱۷۵۔

کی حیثیت رکھتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑی ازدواجی زندگی گزاری، آپ نے مختلف مصلحتوں کے پیشِ نظر کئی شادیاں کیں، اور ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ نو ازواج بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں رہیں۔ یہ ایک بڑی تعداد ہے اور عام ماحول کو دیکھا جائے تو آپ کی یہ زندگی بجائے خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالِ انسانیت اور نبوت کی دلیل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف بہترین خانگی زندگی کے لیے مکمل و جامع ہدایات عطا فرمائیں بلکہ اس اعلیٰ ترین معیار کے مطابق اپنا اسوۂ حسنہ بھی پوری دنیا کے سامنے پیش فرما دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ نکاح کے وقت ان کی عمر چالیس برس اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۵ سال تھی۔ حضرت خدیجہ نے ۶۵ برس کی عمر میں وفات پائی اس طرح وہ پچیس سال تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں۔ ایک جانب عمروں کا یہ تفاوت پھر اتنی طویل رفاقت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا وہ دور بھی ایسا کہ قدم قدم پر آزمائشیں، مشکلات اور طرح طرح کے مصائب مگر یہ سارا زمانہ حسنِ معاشرت کا بہترین نمونہ ہے۔ اس دوران ذرا دیر کے لیے بھی کوئی ایسی بات پیش نہیں آئی جس سے کسی قسم کی رنجش یا کدورت کا اشارہ مل سکتا۔ آخر ایک مثالی معاشرت کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو گی؟ پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے تعلق منقطع نہیں کیا بلکہ اس کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں اور ملنے جلنے والی خواتین کے ہاں ہدایا اور تحائف وغیرہ بھجواتے رہے۔ (۴۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ معاشرت کی ایک اہم مثال یہ ہے کہ ۹ ازواج مطہرات کے ساتھ آپ کا برتاؤ مکمل طور پر یکساں تھا، آپ خود فرماتے تھے۔

اللھم ھذا فعلی فیما املک فلا تلمنی فیما تملک ولا املک. (۴۲)

۴۱۔ مستدرک/ ج ۴، ص ۱۹۳۔ ۴۲۔ نسائی، احمد بن شعیب ابو عبدالرحمٰن (م ۳۰۳ھ) / السنن الکبریٰ / دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۹۱ء/ ج ۵، ص ۲۸۱، رقم ۸۸۹۱، ☆ ابن ماجہ/ ج ۲، ص ۶۲۷، رقم ۱۹۷۱، ☆ ابن ابی شیبہ، ابوعبداللہ محمد، (م ۲۳۵ھ) / المصنف / مکتبہ الرشد، ریاض، ۱۴۰۹/ ج ۴، ص ۳۷، رقم ۱۷۵۴۱۔

''اے اللہ! یہ میرا کام ہے اس امر میں جس کا میں مالک ہوں اور جس امر کا تو مالک ہے اور مجھے اس بارے میں کچھ قدرت نہیں تو اس میں مجھے ملامت نہ کر۔''

جب کہ کاشانۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو مالی کیفیت تھی وہ کسی سے مخفی نہیں، کئی کئی روز چولہا تک نہیں جتلا تھا اور کھجور وغیرہ پر گزارا ہوتا تھا، ایسے حالات میں عین ممکن تھا کہ کوئی بات خلافِ مزاج پیش آجاتی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ تدبر، مساوات پر مبنی برتاؤ اور کریمانہ طرزِ عمل نے ان حالات کو بھی تمام ازواجِ مطہرات کے لیے مسرت بخش بنا دیا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کی خوبی یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بات میں ازواج میں سے کسی کی حق تلفی یا کسی کے ساتھ بے انصافی نہیں ہونے دیتے تھے اور ان کے ساتھ نہایت عمدہ اور بہتر سے بہتر سلوک کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باری کی اتنی پابندی فرماتے تھے کہ کبھی ہم میں سے کسی کو کسی پر ترجیح نہ دیتے اور ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب ازواجِ مطہرات کے یہاں تشریف نہ لے گئے ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ عصر کی نماز کے بعد ازواج کے گھروں میں تشریف لے جاتے، ان کے پاس بیٹھتے، ان کے حالات معلوم کرتے۔ جب رات ہو جاتی تو وہاں تشریف لے جاتے جہاں باری ہوتی اور وہیں شب بسر فرماتے۔(۴۳)

بعض روایتوں میں ہے کہ جن کی باری ہوتی تھی انہی کے گھر پر تمام ازواجِ مطہرات آجاتی تھیں اور دیر تک صحبت رہتی تھی۔ کچھ رات گئے سب رخصت ہو جاتی تھیں۔(۴۴)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر پر روانگی کا ارادہ فرماتے تو ازواجِ مطہرات کے درمیان قرعہ ڈالتے اور جس کا نام قرعہ میں نکلتا انہیں ساتھ لے جاتے، حالانکہ ازروئے شریعت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پابند نہ تھے۔ لیکن ازواجِ مطہرات کی رعایت فرماتے ہوئے آپ قرعہ اندازی فرماتے۔(۴۵)

۴۳۔ سیرت النبی/ ج ۲، ص ۲۶۰، ۲۶۱۔ ۴۴۔ مسلم/ ج ۲، ص ۳۷۷، رقم ۱۴۶۲۔

۴۵۔ بخاری/ کتاب النکاح، باب القرعۃ بین النساء اذا ارادسفرا۔

اسلام نے اس دورِ جاہلیت میں جب کہ عورت ہر اعتبار سے پستیوں اور ذلتوں کا شکار تھی اسے بھرپور، مکمل اور مثالی حقوق عطا کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواتین کو معاشی تحفظ بھی فراہم کیا، چنانچہ قرآنِ حکیم میں عورتوں کے مہر کے بارے میں حکم ہوا۔

وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ط فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا. (۴۶)

''اور عورتوں کو ان کی مہر خوش دلی سے دے دیا کرو، پھر اگر وہ (خود) اپنی خوشی سے اس (مہر) میں تمہارے لیے کچھ چھوڑ دیں تو اسے شوق سے مزے سے کھاؤ۔''

اور عورتوں کے نفقے کے بارے میں فرمایا گیا:

عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ... (۴۷)

''وسعت والے پر اس کی حیثیت کے مطابق نفقہ واجب ہے اور تنگ دست پر اس کی حیثیت کے مطابق۔''

ازواجِ مطہرات کے مابین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور برکت سے اتنے عمدہ تعلقات تھے کہ عام حالات میں ان کا تصور بھی ممکن نہیں۔ واقعہ افک میں جب چند دریدہ دہن منافقوں نے عفیفہ کائنات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو دیگر ازواجِ مطہرات خصوصاً ان ازواج کے لیے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہمسری کی دعوے دار تھیں، یہ ایک عمدہ موقع تھا، لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بابت ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے ان کی رائے جاننا چاہی تو باوجود اس کے کہ ان کی بہن حمنہ بھی مخالفین کے پروپیگنڈے کا شکار ہو چکی تھیں اور وہ خود بھی کئی حوالوں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھیں، انہوں نے صاف صاف الفاظ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حمایت فرمائی اور یہاں تک فرمایا:

احمی سمعی و بصری واللہ ما علمت علیها الاخیرًا. (۴۸)

''میں اپنے کانوں اور آنکھوں کی حفاظت کرتی ہوں، میں خدا کی قسم عائشہ رضی

۴۶۔ سورۂ نساء، آیت ۴۔ ۴۷۔ سورۂ بقرہ، آیت ۲۳۶۔ ۴۸۔ بخاری/الصحیح / ج ۲، ص ۶۹، ۷۱۔

اللہ عنہا کے متعلق سوائے خیر کے کچھ نہیں جانتی۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی زندگی جس طرح سادگی کی مثال تھی، وہیں آپ کے اہل وعیال نے بھی آپ کی پیروی کا حق ادا کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج میں اکثر بڑے ناز ونعم میں پلی ہوئی اور بڑے گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی برکت سے ان کا میلان کبھی بھی دنیا کی عارضی نعمتوں کی طرف نہیں ہوا۔ اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا اثر اور محبت کی برکت ہی قرار دیا جائے گا جب حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں دو بوریوں میں رقم بھیجتے ہیں جو پونے دو لاکھ درہم سے زائد تھی تو اسے آپ جب تقسیم کرنے بیٹھتی ہیں تو اسے ختم کر کے ہی اٹھتی ہیں اور جب روزے کے افطار کا وقت ہوتا ہے تو سوکھی روٹی اور زیتوں کے تیل کے سوا کچھ کھانے کو گھر میں موجود نہیں ہوتا۔

ہمارے ہاں آج یہ عالم ہے کہ الا ماشاء اللہ کم ہی گھروں میں باہمی تقسیمِ کار کی وہ نوعیت موجود ہوگی جو تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوتی ہی اور جس کی وضاہت اسوۂ حسنہ سے ہوتی ہے۔ روایتِ مذکورہ میں واضح طور پر موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف یہ کہ معیار سے کم کوئی بات نہیں فرماتے تھے، بلکہ کسی قسم کی کمزور بات کو بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ اور آپ یہ کوشش فرماتے تھے کہ گھریلو معاملات کو انسانی فطرت ومزاج کے مطابق چلایا جائے۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں نہ تصنع تھا نہ تکلف۔ آج کی ہماری مسرفانہ زندگی اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل کو حل کرنے اور مصائب ومشلات کے بھنور سے نکلنے کے لیے بھی ضروری ہے کہ اسوۂ حسنہ کے ان واضح اور عملی پہلوؤں کا بہ غور مطالعہ کیا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی مکمل کوشش کی جائے۔

اولاد سے تعلق

خانگی زندگی کا تیسرا اہم دائرہ اولاد سے تعلق رکھتا ہے۔ انسانی معاشرے کا یہ وہ پہلو ہے جس کے بغیر کوئی معاشرہ تشکیل نہیں پا سکتا۔ اس کی یہ اہمیت اس امر کی متقاضی ہے کہ اسے دنیاوی زندگی میں اس کی اہمیت کے مطابق بھرپور حصہ دیا جائے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے قبل کسی ایسی آواز کا پتا نہیں چلتا جو اس سلسلے میں دنیا کے کسی کونے سے بھی بلند کی گئی ہو۔ اسلام سے پہلے والدین کو تو اپنی اولاد پر لامحدود اختیارات حاصل تھے مگر اولاد کا والدین پر کسی طرح کا کوئی حق نہیں مانا جاتا تھا۔ یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار امتیازات میں سے ایک ہے کہ آپ نے اس باب میں بھی حقوق و فرائض کا توازن و تناسب قائم کیا اور بتایا کہ چھوٹوں اور بڑوں کی حدود اور ان کے حقوق و فرائض کے پیمانے بے شک جدا جدا ہیں مگر قانون کی رو سے کوئی بھی فرائض سے بالاتر نہیں۔ جس طرح بڑوں کے حقوق ہیں اور چھوٹوں پر اس حوالے سے کچھ فرائض عائد ہوتے ہیں، اسی طرح چھوٹوں کے بھی کچھ حقوق ہیں جن کی ادائیگی بڑوں کے فرائض میں شامل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جامع ترین قولِ مبارک ہے، فرمایا:

لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا. (۴۹)

''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کا احترام نہ کرے۔''

اللہ تعالیٰ نے والدین کو اولاد کے اس دنیا میں آنے کا باعث و ذمہ دار بنایا ہے، اس لیے والدین کو اس امر کا پابند کیا ہے کہ وہ اولاد کشی کے کسی طریقے کو روا نہ رکھیں۔ (۵۰)

۴۹۔ حاکم/ ج ۱، ص ۱۳۱، رقم ۲۰۹، ☆ ابوداؤد/ ج ۴، ص ۳۱۱، رقم ۴۹۴۳

۵۰۔ اسلام بلاضرورت عزل اور اسقاطِ حمل کی مختلف صورتوں کی تائید نہیں کرتا، نہ انہیں اچھا سمجھتا ہے، اور ایسا کرنے پر سخت گناہ کی وعید سناتا ہے، لیکن اس مسئلے کی حدود کیا ہیں؟ ضرورت کے تحت کون سی صورتیں داخل ہیں، یہ خالصتاً فنی اور فقہی مسئلہ ہے، اس کے لیے متعلقہ کتب کی طرف رجوع کیا جائے۔

اس مسئلے کو اسلام نے اتنی اہمیت دی ہے کہ قرآنِ حکیم میں شرک اور والدین کی نافرمانی کی حرمت کو بیان کرنے کے بعد اس کو بیان کیا گیا ہے۔ فرمایا:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ج وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ... (۵۱)

''آپ کہہ دیجیے کہ آؤ میں تمہیں وہ چیزیں بتاؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کر دی ہیں، وہ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور تنگدستی کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی۔''

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس گناہ کو عظیم گناہوں میں شمار کیا ہے۔

ایک دفعہ ایک صحابی نے دریافت کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ فرمایا شرک، پوچھا اس کے بعد، فرمایا: والدین کی نافرمانی، پھر عرض کی اس کے بعد، فرمایا کہ تم اپنی اولاد کو اس ڈر سے مار ڈالو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گی۔ (۵۲)

والدین پر اولاد کا دوسرا اہم حق یہ ہے کہ وہ اس کا اچھا نام رکھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان من حق الولد علی الوالدان یحسن اسمه و ان یحسن ادبه. (۵۳)

''باپ پر بچے کا یہ بھی حق ہے کہ اس کا نام اچھا رکھے اور اس کو حسنِ ادب سے آراستہ کرے۔''

اور اگر نام کسی سبب سے مناسب نہ ہو تو اسے بدل دینا چاہیے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبیح ناموں کو بدل دیا کرتے تھے۔ (۵۴)

۵۱۔ سورۂ انعام، آیت ۱۵۱ ۵۲۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید و تفسیر سورۂ بقرہ و سورۂ فرقان، و کتاب الادب و کتاب المحاربین و صحیح مسلم کتاب الایمان ۵۳۔ مجمع الزوائد/ ج ۸، ص ۹۳، رقم ۱۲۸۲۹۔
۵۴۔ ترمذی/ ج ۴، ص ۳۸۲، رقم ۲۸۴۸۔

تیسرا اہم حق یہ ہے کہ اس کی جسمانی صحت اور نشوونما کا بھرپور خیال رکھے۔ اس مقصد کے لیے ضروری ہے کہ شیر خوارگی کے زمانے میں ماں اپنے بچے کو دودھ پلائے اور اگر ماں نہ ہو تو باپ پر رضاعت کا انتظام کرنا اور اس کی اجرت ادا کرنا فرض قرار دیا گیا جیسا کہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:۔

وَ الْوَالِدٰتُ یُرْضِعْنَ اَوْلَادَھُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ یُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ... (۵۵)

''اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس دودھ پلائیں، یہ مدت اس کے لیے ہے جو چاہے کہ رضاعت کی مدت پوری کرے۔''

جسمانی نشوونما کے بعد قرآنِ کریم نے اولاد کی تربیت کی طرف بھی توجہ دلائی اور فرمایا:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا وَقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ... (۵۶)

''ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔''

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد کی تعلیم اور تربیت کی جانب متوجہ کرتے ہوئے فرمایا کہ کوئی والد اپنے بچے کو اس سے بہتر کوئی عطیہ نہیں دے سکتا کہ وہ اس کو اچھی تعلیم دے۔ (۵۷)

پھر اسلام کی نظر میں مرد وعورت برابر ہیں۔ اسی طرح لڑکا اور لڑکی میں بھی کوئی تفریق نہیں اور اگر کوئی ایسا تصور رکھتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مکمل نفی فرما دی۔ چنانچہ لڑکیوں کی پرورش کی یہ کہہ کر تلقین کی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس بندہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو لڑکیوں کی ذمہ داری ڈالی گئی اور اس نے ان کے ساتھ اچھا

۵۵۔ سورہ ۲ بقرہ، آیت ۲۳۳۔ ۵۶۔ سورۂ تحریم، آیت ۶

۵۷۔ ترمذی/ ج ۳، ص ۳۸۳، رقم ۱۹۵۹، ☆ ابو بکر احمد بن حسین البیہقی / شعب الایمان/ دارالکتب العلمیہ، بیروت، طبعہ اولیٰ، ۱۹۹۰ء/ ج ۲، ص ۲۵۶

سلوک کیا تو یہ لڑکیاں اس کے لیے دوزخ سے بچاؤ کا سامان بن جائیں گی۔(۵۸)

حضرت انس سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ لڑکیوں کا بار اٹھائے اور ان کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں تو قیامت کے روز وہ شخص اور میں اس طرح ہوں گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو بالکل ملا کر دکھایا۔(۵۹)

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ ایک عورت اپنی دو بچیوں کو لے کر میرے پاس آئی۔ میرے پاس اس وقت کھلانے کی کوئی چیز نہ تھی، فقط ایک کھجور موجود تھی۔ میں نے وہی اس خاتون کو پیش کر دی۔ اس نی کھور کے دو حصے کر کے بچیوں کو دے دیے اور خود اس میں سے کچھ نہ کھایا۔ ابھی وہ خاتون اپنی بچیوں کے ساتھ گھر سے نکلی ہی تھی کہ حسنِ اتفاق سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لے آئے تو میں نے آپ کی خدمت میں پورا واقعہ عرض کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من ولی من هذه البنات شیئا فاحسن الیهن کن له سترا من النار.(۶۰)

''بچیوں کی پرورش اور بہبود کا کام جس کے سپرد کیا گیا اور وہ ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آیا تو یہ بچیاں اس کو جہنم کی آگ سے بچائیں گی۔''

نبی رحمت ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا اولاد سے تعلق بڑا قریبی نوعیت کا تھا، آپ کی اپنی بھی اولاد تھی۔ چار صاحبزادیاں تھیں اور تین صاحبزادے (صحیح قول کے مطابق) صاحبزادے اگرچہ جلد ہی وفات پا گئے مگر ان سے تعلق کے بہت سے مظاہر اوراق سیرت میں محفوظ ہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی نواسے نواسیاں تھیں جن سے آپ کی الفت و تعلق قلبی کے بہت سے واقعات ہمارے سامنے موجود ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچوں پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ بچوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و مہربانی کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

۵۸۔ بخاری، کتاب الادب، باب ۱۸، ☆ مسلم/ ج ۴، ص ۱۹۹، رقم ۲۶۲۹، ☆ ترمذی/ ج ۳، ص ۳۶۷، رقم ۱۹۲۲۔

۵۹۔ مسلم/ ج ۴، ص ۱۹۹، رقم ۲۶۳۱۔ ۶۰۔ ابن حبان/ ج ۷، ص ۲۰۱

نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں اور میرا خیال ہوتا ہے کہ میں لمبی نماز پڑھوں مگر نماز کے دوران کسی بچے کے رونے کی آواز آتی ہے تو میں نماز کو چھوٹا کر دیتا ہوں کیونکہ مجھے یہ بات ناگوار معلوم ہوتی ہے کہ اس کی ماں پر سختی کی جائے۔(۶۱)

آپ کو اپنی نواسی امامہ بنت زینبؓ اور حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے بے حد محبت تھی۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ کو بوسہ دیا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اقرع بن حابس تمیمی بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے کہا کہ میرے دس لڑکے ہیں۔ میں نے ان میں سے کسی کو کبھی نہیں چوما۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ جو رحم نہیں کرتا (اس پر) رحم نہیں کیا جاتا۔(۶۲)

بچپن میں ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی حضرت امامہ رضی اللہ عنہا آپ کے کندھے پر تھیں، اسی حال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔ جب آپ رکوع میں جاتے تو انہیں اتار دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو انہیں پھر سوار کر لیتے۔(۶۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طبیعتاً رقیق القلب تھے اور کسی کو تکلیف میں دیکھ کر آپ آبدیدہ ہو جاتے تھے۔ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہلوا بھیجا کہ میری بچی بستر مرگ پر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، بچی کو آپ کی گود میں دے دیا گیا۔ بچی جان کنی کے عالم میں تھی اور سخت مضطرب تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں یہ منظر دیکھ کر آنسو آ گئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جو اس موقع پر موجود تھے، پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ کیا ہے؟ فرمایا، یہ رحمت ہے، اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے دل میں چاہتا ہے، رکھ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے صرف اُن پر رحم کرتا ہے جو دوسروں پر رحم کرتے ہیں۔(۶۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا ایک واقعہ ہم سب کے لیے سبق آموز ہے اور وہ دنیاوی تعلقات اور اللہ تعالیٰ سے ربط و تعلق کی حدود کی بہت عمدہ تشریح بھی کرتا ہے۔ آپ

۶۱۔ بخاری، کتاب الجماعۃ والامامۃ باب من اخف الصلوٰۃ عند بکاء الصبی۔

۶۲۔ بخاری کتاب الادب باب رحمۃ الولد وتقبیلہ۔ ۶۳۔ بخاری ایضاً۔ ۶۴۔ بخاری/ ج ۲، ص ۳

صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے، جب ان کی علالت شدت اختیار کر گئی اور وقت آخر قریب آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابوسیف کے ہاں پہنچے۔ ان کی اہلیہ حضرت ابراہیم کی رضاعی والدہ تھیں اور حضرت ابراہیم اس وقت جان کنی کے عالم میں تھے، یہ دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ رو رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تو شفقت و رحمت ہے، پھر فرمایا:

ان العین تدمع و القلب یحزن ولا نقول الاما یرضٰی ربنا و انا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون. (٦٥)

''آنکھ روتی ہے، دل غمگین ہے مگر ہم وہی بات کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہو، اور اے ابراہیم تمہاری جدائی پر آزردہ ہیں۔''

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اولاد اور بچوں سے یہ تعلق ایک رُخانہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور تعلیمات کا یہ پہلو بھی اپنے اندر جامعیت کی امتیازی شان کا حامل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ان سے تعلق خاطر کا اظہار ہی نہیں کیا بلکہ ہمہ وقت ان کی تربیت بھی فرماتے رہے اور ان کے روز و شب کی نہایت کڑی نگرانی بھی کرتے رہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین صاحبزادی ہیں، لیکن ان کی یہ محبت بھی انہیں دنیاوی نعمتوں کی فراہمی کی لیے مجبور نہیں کر سکی، چکی پیس پیس کر ان کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے اور گھر کے کام کاج تنہا کرنے کی بنا پر طرح طرح کی مشقتیں اٹھاتی تھیں۔ مگر ایک بار جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھر کے کام کے لیے لونڈی کا مطالبہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ یہ فقراء و یتیموں کا حق ہے۔ (٦٦)

ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سونے کا ہار دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو فرمایا کہ اے فاطمہ! کیا تم لوگوں سے یہ کہلوانا چاہتی ہو کہ

٦٥۔ بخاری/ کتاب الجنائز

٦٦۔ شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی، سیرت النبی ا/ دارالاشاعت، کراچی/ سیرت النبی/ ج ٢، ٢٦٣۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کے ہاتھ میں آگ کی زنجیر ہے۔ یہ سن کر انہوں نے وہ ہار بیچ دیا۔ اس کی اطلاع جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے جس نے فاطمہ کو آگ سے نجات دی۔ (٦٧)

ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی سفر سے واپسی کی خوشی میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دروازے پر پردہ لٹکا دیا اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو چاندی کے کنگن پہنا دیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو یہ رنگ دیکھ کر واپس ہو گئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی ملاحظہ کر کے پردہ فوراً پھاڑ دیا اور حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں سے کنگن اتار ڈالے۔ حضرات حسن و حسین رضی اللہ عنہما روتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اہلِ بیت ہیں، میں نہیں چاہتا کہ میرے اہلِ بیت دنیاوی لذتوں سے آلودہ ہوں۔ (٦٨)

ہمارے گھروں میں خصوصیت کے ساتھ اس پہلو سے بے توجہی کی شکایت عام ہے، والدین خصوصاً باپ کاروبارِ حیات میں اس قدر غرق ہیں کہ انہیں اس پہلو پر توجہ دینے کی فرصت ہی نہیں۔ بعض صورتوں میں تو کئی کئی روز بلکہ ہفتوں بچوں سے ملاقات نہیں ہوتی۔ والدین کی نظر میں آج اولاد کے حوالے سے صرف یہ دلچسپی قائم ہے کہ وہ طرح اعلیٰ تعلیمی مراتب پر جلد از جلد فائز ہوتے ہیں اور مزید تعلیم کے لیے اور پھر ملازمت یا کاروبار کے لیے بیرونِ ملک کس قدر جلد جانے میں کامیاب ہوتے ہیں۔ کچھ عرصے قبل تک والدین کم از کم حقیقی تعلیمی قابلیت کے تو خواہاں ہوتے تھے، اب وہ عنصر بھی ختم ہو چکا ہے۔ اب ان کی دلچسپی محض اچھے نمبروں کے حصول میں ہے اور اس کے لیے سفارش اور رشوت سے لے کر دباؤ اور جبر کی ہر صورت کو روا سمجھا جا رہا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ تعلیمی نظام بھی تباہ ہو رہا ہے اور طلبا بھی تعلیمی حوالے سے کسی امتیاز کے حامل نظر نہیں آتے۔ یہ سب تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے لاعلمی اور اسوۂ حسنہ سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے اور اس سلسلے میں ہمارے طرزِ عمل کے جو نقصانات سامنے آ رہے ہیں، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ مگر اس سلسلے میں ہم خود بھی

٦٧۔ نسائی/ السنن/ کتاب الزینۃ، باب کراہیۃ النساء فی اظہار الحلی والذہب۔ ٦٨۔ نسائی/ ایضاً

اپنے فرائض ادا نہ کر کے سخت گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ یہ بات بالکل واضح ہے کہ اولاد کی جسمانی نشوونما کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیم اور تربیت بھی والدین کے اوّلین فرائض میں شامل ہے اور اس میں صرف دنیاوی تعلیم شامل نہیں بلکہ تعلیم و تربیت کا وہ حصہ بھی ضروری اور اہم ہے جو ہمیں اخروی کامیابی سے ہمکنار کر سکے۔

www.tazkeer.org

اہلِ قرابت سے روابط

انسان کی گھریلو زندگی میں اولاد کے بعد اہلِ قرابت کا درجہ ہے۔ اہلِ قرأت کی حدود بہت وسیع ہیں۔ اس میں وہ تمام اعزا شامل ہیں جو کسی بھی رشتے کی رو سے قرابت رکھتے ہوں۔ پھر ان میں سے جو جس قدر قریب ہوگا، اُسی قدر ہمارے حسنِ سلوک کا مستحق ہوگا۔ اسلام تمام اہلِ قرابت کو ایک دوسرے کا دلی خیر خواہ، ہمدرد، مددگار اور غم گسار دیکھنا چاہتا ہے۔ اسی لیے قرآنِ حکیم میں متعدد مقامات پر رشتے داروں سے حسنِ سلوک کا حکم دیا گیا ہے اور احادیثِ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں صلہ رحمی کی بار بار تاکید فرمائی گئی ہے لیکن اس میں یہ فرق بھی شریعتِ محمدیہ نے ملحوظ رکھا ہے کہ یہ تعاون صرف نیکی اور بھلائی کے کاموں میں ہوگا۔ وہ تمام امور جن کی بنیاد معصیت پر ہو یا جو کسی بھی نوع کی خالق کی نافرمانی یا مخلوق کی حق تلفی پر مبنی ہوں، وہ صلہ رحمی کے دائرے میں نہیں آتے۔ اسلام نے خون کے رشتوں کو تقدس عطا کرنے، ان کا احترام قائم رکھنے اور ان کی بنیاد پر صحت مند معاشرے کی تشکیل کے لیے بہت سے اِقدامات کیے ہیں۔

اہلِ قرابت کے ساتھ حسنِ سلوک اللہ تعالیٰ کے اُن خاص احکامات میں سے ہے جن کا انسان سے عہد لیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ ۫ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنِ... (۶۹)

''اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین، رشتہ داروں اور یتیموں اور مساکین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا۔''

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

۶۹۔ سورۂ بقرہ، آیت ۸۳۔

اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق پیدا کی اور اس عمل سے فارغ ہو گیا تو رحم نے عرض کیا کہ یہ اس کا مقام ہے جو قطع رحمی سے تیری پناہ مانگتا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ ہاں، کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ میں اس سے جوڑوں جو تم سے اپنے آپ کو جوڑے اور اس سے توڑ لوں جو تم سے اپنے آپ کو توڑے، رحم نے کہا کیوں نہیں اے رب، اللہ نے فرمایا کہ پس یہ مقام تمہارے لیے ہے۔ (۷۰)

ایک دفعہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کوئی ایسی بات بتایئے جو مجھے جنت میں لے جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو، کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ، نماز پوری ادا کرو، زکوٰۃ دو اور قرابت داروں کا حق ادا کرو۔ (۷۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کو یہ پسند ہو کہ اس کی روزی میں وسعت اور اس کی عمر میں برکت ہو تو اس کو چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔ (۷۲)

حضرت ابو بکرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی گناہ ایسا نہیں کہ خدا تعالیٰ اس کے مرتکب کو بہت جلد دنیا ہی میں اس کا بدلہ یا عذاب دے اور آخرت میں بھی اس کے عذاب کو جمع رکھے مگر دو گناہ ہیں امامِ وقت کے خلاف بغاوت اور قطع رحمی۔ (۷۳)

عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی احسان جتانے والا، قطع تعلق کرنے والا اور شراب کشید کرنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (۷۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح زندگی کے دوسرے معاملات میں حقوق و فرائض کے توازن و تناسب کو اہتمام کے ساتھ قائم کرنے کی تاکید فرماتے تھے اور پھر خود عملی طور پر اس پر عمل پیرا ہو کر دکھاتے تھی، آپ کی یہی شانِ جامعیت اس معاملے میں بھی نمایاں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا طرزِ عمل اس باب میں یہ تھا کہ آپ نے آغازِ کار ہی سے لوگوں کو

۷۰۔ بخاری کتاب الادب باب من وصل وصلہ اللہ۔ ۷۱۔ بخاری کتاب الادب باب فضل صلۃ الرحم۔

۷۲۔ بخاری کتاب الادب باب من بسط لہ فی الرزق بصلۃ الرحم۔ مسلم ایضاً۔

۷۳۔ ابوداؤد/ کتاب الادب، باب فی النہی عن البغی۔ ۷۴۔ نسائی/ کتاب الاشربتہ، باب توبہ شارب الخمر۔

صلح جوئی اور صلہ رحمی کی تاکید کی اور یہ ایک تاریخی حقیقت اور امرِ واقعی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کاوشوں کے نتیجے میں دنیائے عرب کا وہ حصہ جو آپ سے قبل طرح طرح کے اختلافات، فسادات، لڑائیوں اور خوں ریزیوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا، متحد و متفق امتِ واحد میں تبدیل ہوگیا۔ اس مقصد کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گروہی تعصّبات کا خاتمہ کیا، قبائلی منافرتوں کو ختم کیا اور خاندانی اختلافات کو دور کیا۔ یہ سب باتیں اہلِ قرابت میں بھائی چارے کے فروغ اور مستحکم تعلقات کے احیا میں معاون ثابت ہوئیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اعزا و اقربا کے ساتھ بھی خاص حسنِ سلوک پر مبنی طرزِ عمل اختیار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آغازِ دعوت ہی میں اپنے رشتے داروں کو دعوتِ اسلام دی۔ انہیں نام بہ نام پکار کر ان تک اسلام کا پیغام پہنچایا، پھر جب کلمۂ حق بلند کرنے کے سبب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے اور طرح طرح کی مشکلات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے راہِ زیست تنگ کی گئی، تب بھی آپ نے جوابی کارروائی کے طور پر کوئی ایسا اقدام نہ کیا جن سے مشرکینِ مکہ کو کوئی نقصان اٹھانا پڑتا جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی عزیز بھی شامل تھے اور جو خود آپ کی مخالفت میں پیش پیش تھے۔ پھر جب یمن کے سردار ثمامہ نے ایمان لانے کے بعد اہلِ مکہ کو غلے کی فراہمی بند کر دی تو اہلِ مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی۔ انہوں نے آپ کو یہی لکھا کہ آپ تو صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں، ہم آپ کے رشتے دار ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ثمامہ سے کہہ کر ہمارا غلہ بحال کروایئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست قبول کی اور حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کو اہلِ مکہ کا غلہ بحال کرنے کا حکم دیا۔(۷۵)

غزوۂ حنین کے موقع پر جب مسلمانوں کو فتح ہوئی اور اسیرانِ جنگ مسلمانوں کی تحویل میں آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن شیماء بھی آپ کے پاس لائی گئیں۔ انہوں نے اپنا تعارف کرایا کہ میں آپ کی رضاعی بہن ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات سے انہیں پہچان لیا تو انہیں کہا کہ اگر تم میرے پاس رہنا چاہو تو پورے اعزاز و احترام کے

۷۵۔ بخاری/ ج ۳، ص ۵۶۔ حلبی/ ج ۳، ص ۱۷۲۔

ساتھ رہ سکتی ہو اور اگر اپنی قوم میں واپس لوٹنا چاہو تو یہ بھی ممکن ہے۔ میں پوری عزت کے ساتھ رخصت کروں گا۔ چنانچہ انہوں نے دوسری صورت کو پسند کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تحائف کے ساتھ رخصت کیا۔(۷۶) اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ کر اپنی چادر ان کے لیے بچھا دی اور فرمایا کہ جو مانگو گی تمہیں ملے گا اور جس چیز کی سفارش کرو گی وہ پوری ہو گی۔(۷۷)

غزوۂ بدر کے موقع پر جو قیدی گرفتار ہو کر مدینہ منورہ لائے گئے، اُن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ان تمام قیدیوں کو باندھ کر رکھا گیا تھا، رات کو بندش کی سختی کے سبب حضرت عباس کے کراہنے کی آواز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سماعتوں تک پہنچی تو آپ کی آنکھوں سے نیند جاتی رہی۔ جب صحابہ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے سبب دریافت کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وجہ بتا دی۔ صحابہ نے حضرت عباس کی بندشیں کھولنے کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر بھی انہیں امتیازی طور پر کسی سہولت سے فیض یاب نہیں کیا، بلکہ فرمایا کہ سب قیدیوں کی بندشیں کھول دو۔(۷۸)

حضرت نوفل بن حارث آپ کے چچا زاد بھائی تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وقتاً فوقتاً ان کی خبر گیری فرمایا کرتے تھے۔ ان کو شادی کی خواہش ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاتون سے ان کی شادی کا اہتمام کیا۔ ان کے پاس کھانے پینے کا کوئی سامان نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو رافع اور ابو ایوب کے ہاتھ اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن رکھی اور اس کے بدلے تیس صاع جو لے کر عطا کیے۔(۷۹)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں۔ وہ بچپن ہی سے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر فرطِ محبت سے آغوشِ عاطفت میں بٹھایا اور سر پر ہاتھ پھیر کر دعا فرمائی:

۷۶۔ ابن اکثیر، عماد الدین/ البدایۃ والنہایۃ/ بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۱ء/ ج ۴، ص ۳۹۳۔

۷۷۔ ایضاً۔ ۷۸۔ حلبی/ ج ۲، ص ۴۵۸، ☆ ابن اکثیر، عماد الدین/ السیرۃ النبویہ/ دار احیاء التراث العربی/ السیرۃ النبویہ/ ج ۲، ص ۴۶۲۔ ۷۹۔ مستدرک/ ج ۳، ص ۲۴۶

اللھم بارک فیه و انشر منه. (۸۰)

''اے خدا! اس پر برکت نازل فرما اور اس سے علم کی روشنی پھیلا۔''

فتحِ مکہ کے وقت اُم ہانی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چچا زاد بہن اور حضرت ابو طالب کی صاحبزادی تھیں، نے کہا یا رسول اللہ میں نے ابنِ ہبیر کو پناہ دی ہے لیکن علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ اس کو قتل کریں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا:

قد اجرنا من اجرت یا ام هانی. (۸۱)

''اے امِ ہانی! جسے تم نے پناہ دی اسے ہم نے بھی پناہ دی۔''

لیکن دوسری جانب اگر ہم اس حوالے سے اپنے احوال ملاحظہ کریں تو کسی اعتبار سے بھی ہمیں نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نسبت معلوم نہیں ہوتی۔ رشتے داروں اور اہلِ قرابت سے ہمارے تعلقات کی قطعاً وہ نوعیت نہیں ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کی حیثیت سے ہونی چاہیے۔ معمولی باتوں کو ہمیشہ کے لیے قطع تعلقات کی بنیاد بنا لینا، بدگمانی اور سوئے ظن رکھنا، خلافِ طبع کوئی بات پیش آ جائے تو برسوں کے تعلقات اور خونی رشتوں تک کو یکسر فراموش کر دینا، پھر غیبت، الزام تراشی اور اس قبیل کی تمام برائیوں سے اپنے آپ کو آلودہ کرتے رہنا، محض اپنے حقوق کے حوالے سے گفتگو کرنا اور اس سلسلے میں اپنے اوپر عائد ہونے والے فرائض سے پہلو تہی کرنا ہمارا روزمرہ کا معمول اور روایت و مزاج کا حصہ بن چکا ہے۔ سب سے پہلی اور بنیادی بات تو یہ ہے کہ یہ تعلق اللہ تعالیٰ کا قائم کیا ہوا ہے اور اس کو عزت حرمت بھی اللہ ہی کی جانب سے عطا ہوئی ہے، اس لیے اسے کوئی انسان آخر کیسے ختم کر سکتا ہے۔ انسان صرف یہ کر سکتا ہے کہ اپنے گمان و خیال میں اسے ختم کر کے اپنے طور پر بری الذمہ ہو جائے لیکن اس کا ایسا کوئی قدم بارگاہِ خداوندی میں سند نہیں رکھتا۔ یہ تعلقات اللہ کا بیش قیمت انعام ہیں، اس لیے اس بارے میں کسی قسم کی بھی کوتاہی کفرانِ نعمت کا درجہ رکھتی ہے جس کا نقصان خود ہمیں ہی اٹھانا ہوگا۔

۸۰۔ ابن حجر العسقلانی، الاصابہ فی تمیز الصحابہ، مکتبہ تجاریہ الکبریٰ، مصر، ۱۹۳۹ء/ ج ۲، ص ۳۲۳۔

۸۱۔ بخاری/ کتاب الجہاد، باب امان النساء و جوارہن

ملازمین سے رویہ

ملازمین ہماری معاشرت اور گھریلو زندگی کا لازمی جز ہیں، وہ ہمارے ساتھ زندگی کا بہت اہم و بڑا حصہ گزارتے ہیں اور ہماری ضرورتوں کی تکمیل کا بڑی حد تک ان پر انحصار ہوتا ہے۔ لیکن یہ قدرت کا نظام ہے اور فطرت کا قانون کہ کچھ لوگ جو ہم ہی جیسا وجود رکھتے ہیں، ہماری طرح کی اعضا کے مالک ہوتے ہیں، اُن کی تشکیل بھی اسی مادے سے ہوتی ہے جس سے طبقۂ اشرافیہ کے کسی اعلیٰ ترین فرد کی ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ قدرت کو اس کائنات کا نظام برقرار رکھنا ہے، اس لیے سماجی اعتبار سے تفاوت قائم کر کے معاشرے کے نظم و نسق کو قائم کیا گیا ہے۔ یہ ایک ناگزیر ضرورت تھی مگر اس کی بنا پر کسی طبقاتی تقسیم کی گنجائش پیدا نہیں کی جاسکتی، نہ سماجی مراتب کو کسی کے اعلیٰ یا ادنیٰ ہونے کی دلیل قرار دیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ قرآنِ حکیم نے عزت و احترام کی کسوٹی تقوے کو قرار دے کر باقی تمام راستوں کو بند کر دیا، فرمایا:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ... (۸۲)

''اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے۔''

جس طرح موجودہ دور میں خادم اور ملازمین خاندان کا لازمی حصہ شمار ہوتے ہیں، ماضی میں اس سے کہیں بڑھ کر اہمیت غلاموں کو حاصل تھی اور غلام و باندی کسی بھی خاندان کا جزو لاینفک متصور ہوتے تھے۔ اس دور میں ان کی حالت کچھ زیادہ ہی بری تھی کیونکہ وہ مال و متاع خیال کیے جاتے تھے۔ انہیں اپنی ذات پر ذرا بھی اختیار نہ تھا جبکہ آج کے دور میں نوکر و خادم تو تنخواہ دار ہوتے ہیں اور انہیں چھوڑ جانے کا اختیار بھی حاصل ہے، لیکن غلام ایک بالکل بے بس مخلوق تھی جس کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسوۂ حسنہ کے ذریعے انسانیت کی جبین سے غلامی کے اس بدنما داغ کو مٹانے کی بھرپور کوشش فرمائی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی انہیں سب سے پہلے انسانیت کے دائرے میں لے کر

۸۲۔ سورۂ حجرات، آیت ۱۳۔

آئے ہیں۔ آپ نے لوگوں کو بتایا کہ یہ بھی تمہاری ہی طرح کی اللہ کی ایک مخلوق ہیں، ان کے بھی کچھ حقوق تمہارے ذمہ ہیں۔ آنحضرت غلاموں سے خصوصی شفقت فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے:

من لاء مکم من مملو کیکم فاطعموہ مما تاکلون و اکسوہ مما تکسون و من لم یلائمکم فبیعوہ ولا تعذبوا خلق اللہ. (۸۳)

''جو غلام تمہارے مزاج کے مطابق ہوں تو جو تم کھاتے ہو وہی ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنتے ہو وہی ان کو پہناؤ اور جو ناموافق ہوں انہیں بیچ دو اور خلقِ خدا کو عذاب نہ دو۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت میں جو غلام آئے تھے، آپ انہیں ہمیشہ آزاد فرما دیتے تھے لیکن وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان وکرم کی زنجیر سے آزاد نہیں ہو سکتے تھے۔ ماں باپ، قوم قبیلے اور رشتے داروں کو چھوڑ کر عمر بھر آپ کی غلامی کو شرف جانتے تھے۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایک غلام تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر دیا۔ انہیں ان کے والد لینے آئے لیکن وہ آستانۂ رحمت پر باپ کے ظلِ عاطفت کو ترجیح نہ دے سکے اور ان کے ساتھ جانے سے قطعاً انکار کر دیا۔ (۸۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور اسلام کے احکامات کا ہی نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کے ہاں غلاموں اور باندیوں سے حسنِ سلوک کی عام روایت قائم ہوگئی تھی۔ اس حسنِ سلوک کا پہلا مظہر یہ تھا کہ مسلمان بڑی تعداد میں غلاموں کو خرید کر آزاد کر دیتے تھے۔ اسلام نے اس کام کو عظیم نیکی قرار دیا۔ اسلام میں غلاموں کی یہ اہمیت ابتدائی دور ہی سے قائم رہی۔ سورۂ بلد میں جو مکہ میں نازل ہوئی تھی، جن کاموں کو ''گھاٹی'' بتایا گیا ہے، ان میں ایک فکُّ رَقَبَۃٍ یعنی گردن سے غلامی کی رسی کو کھولنا بھی ہے۔ چنانچہ مکہ کی پُرخطر زندگی میں بھی حضرت خدیجہؓ، حضرت ابوبکرؓ اور دوسرے اہلِ ثروت مسلمانوں نے بہت سے غلاموں کو کافروں سے خرید کر آزاد کر دیا تھا۔ مدینہ آ کر اس تحریک نے اور فروغ پایا اور تَحْرِیْرُ رَقَبَۃٍ یعنی گردن کو آزاد کرنا بہت سے فروگزاشتوں کا کفارہ قرار پایا اور غلاموں کے آزاد کرنے کے لیے بہت

۸۳۔ ابوداؤد/ ج ۴، ص ۳۷۹، رقم ۵۱۶۱ ۸۴۔ طبقات/ ج ۳، ص ۴۰۔۴۷

سی ترغیبات کا اعلان کیا گیا۔ صحابہ نے اپنے پیغمبر کی اس آواز پر لبیک کہا اور کچھ عرصے میں غلاموں کی دنیا کچھ سے کچھ ہوگئی۔ حضرت حکیم بن حزمؓ نے جو فتح مکہ کے دن اسلام لائے ہیں، قبولِ اسلام کے بعد سو غلام آزاد کیے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے صرف ایک قسم کے کفارے میں چالیس غلام آزاد کیے۔ حضرت عبداللہؓ بن عمر نے ایک ہزار اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے تیس ہزار غلاموں کو آزادی عطا کی۔ (۸۵)

ملازموں، غلاموں سے حسنِ سلوک کے زمرے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ انہیں تکالیف نہ دی جائیں، خصوصاً طاقت سے زیادہ بوجھ ان پر نہ لادا جائے، نہ انہیں کسی ایسے کام کا مکلّف بنایا جائے جو ان کی طاقت سے باہر ہو۔ دورِ غلامی میں غلاموں اور باندیوں پر تشدد کیا جاتا تھا لیکن نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سختی سے ممانعت فرمائی۔

ایک بار ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ اپنے غلام کو مار رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گزر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر پیچھے سے آواز دی کہ اے ابو مسعود جان لو کہ اللہ تم پر اس سے زیادہ اختیار رکھتا ہے جتنا تم اس پر رکھتے ہو، انہوں نے فوراً عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ اللہ کی رضا کے لیے آزاد ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

امالو لم تفعل للفعتک النار او لمستک النار. (۸۶)

''اگر تم ایسا نہ کرتے تو تمہیں جہنم کی آگ اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔''

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اگر غلام تمہارے موافق نہ ہو تو تم اسے بیچ ڈالو۔ (۸۷)

یعنی اگر تمہیں خادم کی کوئی بات پسند نہیں یا اس کا مزاج ناقابلِ قبول ہے تو تم اسے بیچ ڈالو، اس کی جگہ دوسرا غلام خرید لو، لیکن تمہیں یہ حق قطعاً حاصل نہیں کہ اسے تشدد کا نشانہ بناؤ یا اس پر ظلم و ستم کرو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کو ہمیشہ برابر کا درجہ عطا فرمایا، اور مسلمانوں کو یہی

۸۵۔ سیرۃ النبی ﷺ / ج ۶، ص ۱۵۷۔۱۵۸ ۸۶۔ ابوداؤد / ج ۴، ص ۳۷۹، رقم ۵۱۵۹

۸۷۔ ایضاً / ج ۴، ص ۳۸۱، رقم ۵۱۶۷

تعلیم دی کہ ان کے ساتھ مساوات پر مبنی سلوک کریں، انہیں کسی بھی معاملے میں کمتر تصور نہ کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اخوانکم جعلهم الله تحت یدیه، فمن کان اخوه تحت یده فلیطعمه مما یاکل، ولیکسه مما یلبس ولا یکلفه ما یغلبه، فان کلفه ما یغلبه فلیعنه. (۸۸)

تمہارے کچھ بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھوں میں دے رکھا ہے۔ اگر کسی ہاتھ میں اللہ نے اس کے بھائی کو دیا ہو تو اس کو چاہیے کہ جو خود کھائے وہی اسے کھلائے، جو خود پہنے وہی اسے پہنائے۔ اس کے ذمہ اتنا کام نہ ڈالے جو اس کی طاقت سے زیادہ ہو۔ اور اگر زیادہ ہو تو اس کی مدد کرے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا اتی احدکم خادمه بطعامه فان لم یجلسه معه فلینا وله لقمة او لقمتین (۸۹)

''جب کسی کا خادم کھانا لائے اور وہ (کسی وجہ سے) اسے اپنی ساتھ (کھلانے کے لیے) نہ بٹھا سکے تو اس کو ایک یا دو لقمے ضرور کھلانا چاہیے۔''

ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم اپنے خادم کی غلطیوں سے کس حد تک درگزر کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ اس نے پھر اپنی بات دہرائی۔ آپ پھر خاموش رہے۔ تیسری مرتبہ سوال پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اعفو عنه فی کل یوم سبعین مرة. (۹۰)

''اگر دن میں ۷۰ مرتبہ بھی غلطی کرے تو درگزر سے کام لو اور معاف کرتے رہو۔''

غلاموں کو لفظ غلام میں اپنی ذلت محسوس ہوتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی

۸۸۔ ابوداؤد/ ج ۴، ص ۳۷۹، رقم ۵۱۵۸ ۸۹۔ بخاری/ ج ۲، ص ۵۷

۹۰۔ ابوداؤد/ ج ۴، ص ۳۸۰، رقم ۵۱۶۴، ☆ بخاری/ ج ۳، ص ۲۱۶

یہ تکلیف بھی گوارا نہ تھی۔ آپ نے فرمایا کہ کوئی شخص میرا غلام، میری لونڈی نہ کہے، میرا بچہ میری بچی کہے اور غلام بھی اپنے آقا کو خداوند نہ کہیں، خداوند خدا ہے آقا کہیں۔ (۹۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غلاموں کا اس قدر احساس تھا کہ مرض وفات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے آخری وصیت جو فرمائی اس میں بھی غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک کی سختی سے تاکید فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت کے یہ الفاظ منقول ہیں:

الصلاۃ، الصلاۃ، اتقوا اللہ فیما ملکت ایمانکم. (۹۲)

''نماز، نماز، غلاموں کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔'

ایک صحابیؓ رسول نے ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے دو غلام ہیں جو میری تکذیب کرتے ہیں، خیانت کرتے ہیں، میری نافرمانی کرتے ہیں۔ میں ان کو مارتا ہوں، برا بھلا کہتا ہوں، تو میرا عمل کیسا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اگر تمہاری سزا ان کے جرم کے برابر ہوگی تو ٹھیک ہے ورنہ اگر تمہاری سزا ان کے جرم سے کم ہوگی تو تمہیں اجر ملے گا اور اگر ان کے جرم سے زائد ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس پر سزا دے گا۔

یہ سن کر وہ صاحب رونے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم نے کتاب اللہ کی یہ آیت نہیں پڑھی:

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَ كَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ. (۹۳)

''اور روزِ قیامت ہم میزانِ عدل قائم کریں گے، پھر کسی شخص پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا اور اگر رائی کے دانے برابر بھی (کوئی عمل) ہوگا تو ہم اس کو بھی لائیں گے اور حساب کرنے کے لیے ہم کافی ہیں۔''

اس شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں ان غلاموں کو اپنے آپ سے جدا کرنے سے بہتر

۹۱۔ بخاری/ کتاب العتق، باب کراہیۃ التطاول/ ج ۳، ص ۱۲۴

۹۲۔ ابوداؤد/ ج ۴، ص ۳۷۸، رقم ۵۱۵۶، ☆ ابن ماجہ/ رقم: ۲۶۹۸ ۹۳۔ سورہ انبیاء، آیت ۴۷

کوئی صورت نہیں پاتا، میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ سب آزاد ہیں۔(۹۴)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا خادم کھانا تیار کر کے تمہارے پاس لائے اور کھانا تیار کرنے میں اس نے گرمی اور دھوئیں کو برداشت کیا ہو تو چاہیے کہ اسے ساتھ بٹھا کر کھلاؤ۔ اگر کھانا کم ہو تو ایک دو لقمے ہی اسے دیدو۔(۹۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک خادموں اور غلاموں کے ساتھ کس قسم کا تھا، اس کی مثال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت انسؓ سے سنیے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک بار آپ نے مجھے کسی کام سے بھیجنا چاہا، میں نے انکار کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے، میں باہر چلا گیا۔ اچانک آپ نے پیچھے سے آ کر میری گردن پکڑ لی۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے مسکرا رہے ہیں۔ پھر فرمایا، انسؓ! جس کام کے لیے کہا تھا اب تو جاؤ، میں نے عرض کیا کہ جاتا ہوں، حضرت انس رضی اللہ عنہ اسی واقعے کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

واللہ لقد خدمته سبع سنین او تسع سنین ماعلمت قال لشیء صنعت، لم فعلت کذا و کذا، ولا لشیء ترکت، هلا فعلت کذا و کذا.(۹۶)

''میں نے سات برس تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، مگر کبھی آپ نے یہ نہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا یا یہ کام کیوں نہ کیا؟''

ایک جانب نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے ہے، دوسری جانب ہمارا اپنے ملازموں اور ماتحتوں کے ساتھ رویہ ہے۔ دونوں کا تقابل کر کے دیکھیے کہ کیا ان میں کہیں کوئی مناسبت ہے؟ اور ہمارا کردار و طرزِ عمل نبوی اسوۂ حسنہ سے کس قدر میل کھاتا ہے، اس میں کہاں کہاں اور کون کون سی خامیاں موجود ہیں اور کس کس جگہ اصلاح کی ضرورت اور گنجائش ہے؟

۹۴۔ احمد بن محمد بن حنبل/ المسند/ داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۹۹۳ء/ ج ۷، ص ۳۹۸

۹۵۔ مسلم ۱۰۷/۳ رقم ۱۶۶۳ ۹۶۔ ابوداؤد/ ج ۴، ص ۴۶۳، رقم ۴۷۷۳، ☆ مسلم/ ج ۴، ص ۳۵، رقم ۲۳۱۰

آج ہمارا عمومی انداز یہ ہے کہ ہم ملازمین سے بشاشت کے ساتھ بات کرنا شاید اپنے مقام و مرتبے کے منافی تصور کرتے ہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ آخر احباب اور دوستوں کے بے تکلف ماحول میں ہمارا جو رویہ ہوتا ہے، وہ ملازمین سے گفتگو کے وقت یکسر کیوں تبدیل ہو جاتا ہے؟ پھر ان کا خیال رکھنا از روئے شریعت ہماری ذمہ داری میں داخل ہے۔ اس سے انحراف اپنے فرائض سے کوتاہی کے زمرے میں آتا ہے، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کی حیثیت سے ہماری ذمہ داریاں دوچند ہیں اور اسوۂ حسنہ کی تبلیغ و ترویج کا انحصار بھی ہمارے اپنے رویوں پر ہے اور اس سلسلے میں کوتاہی بھی قابلِ مواخذہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے علم و عمل کو صحیح اسلامی تعلیمات میں ڈھالنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

خلاصۂ کلام

اسلام کے عطا فرمودہ نظام معاشرت میں ہر دائرہ اپنے اپنے مقام پر مکمل بھی ہے اور ایک دوسرے سے باہم مربوط بھی۔ اسلام کا خانگی نظام بھی اسی بنا پر اپنے تمام پہلوؤں کے ساتھ باہم ربط وارتباط رکھتا ہے۔ اوپر ہونے والی گفتگو سے انسان کی خانگی زندگی کے مختلف دائروں کا کردار اور اسوۂ حسنہ کی روشنی میں ان کے فرائض وحقوق کا ایک خاکہ سامنے آتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان قرآن وسنت کی روشنی میں اپنے گھریلو امور کو اس انداز سے استوار رکھے کہ اس کے نتیجے میں کسی کی بھی حق تلفی نہ ہو۔ نہ اس کے اپنے نفس کا حق مارا جائے، نہ اس کے اپنے نفس کا حق مارا جائے، نہ والدین کو اس سے شکایت ہو، نہ اہلِ خانہ اور اولاد اس سے ناخوش ہو، نہ ملازمین سے اس کا رویہ ان کے لیے ناقابلِ برداشت ہو۔ یہ سب باتیں اسی صورت میں پیدا ہوسکتی ہیں جب انسان کے سامنے نبی اکرم ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ کامل صورت میں موجود ہو اور اس پر دل وجان سے عمل پیرا ہونے کا داعیہ بھی موجود ہو۔

اس مقصد کے لیے اسلام انسان کے اندر سب سے پہلے خوفِ خدا پیدا کرتا ہے اور اس کے ذہن میں یہ حقیقت پیوست کر دیتا ہے کہ انسان ہر صورت میں اپنے رب کے سامنے اپنے تمام امور کے لیے جواب دہ ہے۔

اسلام یہ قانون بھی پیش کرتا ہے کہ ہر شخص کو اپنے اپنے امور کی جواب دہی کرنی ہے۔ ہر شخص اپنے کیے کا خود ہی ذمہ دار ہے۔ اس کی اچھائیاں اسی کے کھاتے میں لکھی جائیں گی اور اسے اپنی کوتاہیوں اور برائیوں کا خمیازہ بھی خود ہی بھگتنا ہوگا۔

قرآنِ حکیم میں ارشاد فرمایا:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا... (۹۷)

۹۷۔ حم سجدہ، آیت ۴۶

''جس کسی نے کوئی نیک کام کیا تو وہ اپنے ہی لیے کیا اور جس کسی نے کوئی برائی کی تو اس کا وبال بھی اسی پر پڑے گا۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل واضح الفاظ میں فرمایا کہ ہر شخص اپنی اپنی حدود میں ذمہ دار ہے اور اس کی ذمہ داریوں کی بابت اس سے ضرور پوچھ گچھ ہوگی، فرمانِ نبویؐ ہے:

کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته.(۹۸)

''تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں باز پرس ہوگی۔''

ہمارے گھریلو معاملات اسوۂ حسنہ اور تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے روگردانی کے سبب انتشار و مسائل کا شکار ہیں۔ انسان کی گھر کے حوالے سے اوّلین خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ اس کے لیے جائے امن اور مقامِ راحت و اطمینان ثابت ہو، لیکن جب گھر کا نظام درست نہج پر استوار نہیں رہتا تو وہاں سکون و اطمینان کی تلاش ایک نہ پوری ہونے والی خواہش اور دم توڑتی ہوئی اُمید بن جاتی ہے۔ یہ چیز انسان کو ذہنی اور جسمانی طور پر مزید مسائل و مشکلات سے دوچار کر دیتی ہے۔ نتیجتاً ایسا شخص مسائل و مصائب کے گرداب میں مسلسل پھنستا چلا جاتا ہے۔ اس کا حل صرف ایک ہے، اسوۂ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی روشنی میں اپنے معاملات، طرزِ عمل، رویوں اور اپنے اندازِ زیست کا ازسرِ نو جائزہ لیا جائے اور ان تمام کوتاہیوں، خامیوں اور فروگزاشتوں پر قابو پانے کے لیے فوری طور پر کوشش شروع کی جائے جن کا ہم اب تک شکار رہے ہیں۔ اس مقصد کے لیے اسلام عملی زندگی کی اصلاح کا مسلسل درس دیتا ہے۔ اس کا پیغام تو یہ ہے:

وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی.(۹۹)

''اور انسان کو تو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔''

اس مقصد کے لیے اسوۂ حسنہ ہمارے لیے بہترین مشعلِ راہ ہے۔ کیونکہ اس میں نہ صرف ہدایات ہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے عمل کی صورت میں ہمارے لیے مکمل

۹۸۔ بخاری/کتاب الصلاۃ ۹۹۔ سورہ النجم، آیت ۳۹

رہنمائی بھی ہے۔ پھر اسوۂ حسنہ ہمارے اُمورِ زیست کی چھوٹی چھوٹی جزئیات کا بھی کمال خوبی کے ساتھ احاطہ کرتا ہے، اس لیے وہاں ابہام کا بھی کوئی سوال نہیں۔

اللہ تعالیٰ اسوۂ حسنہ پر صحیح معنی میں عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین.

tazkeer.org

ہماری چند مطبوعات

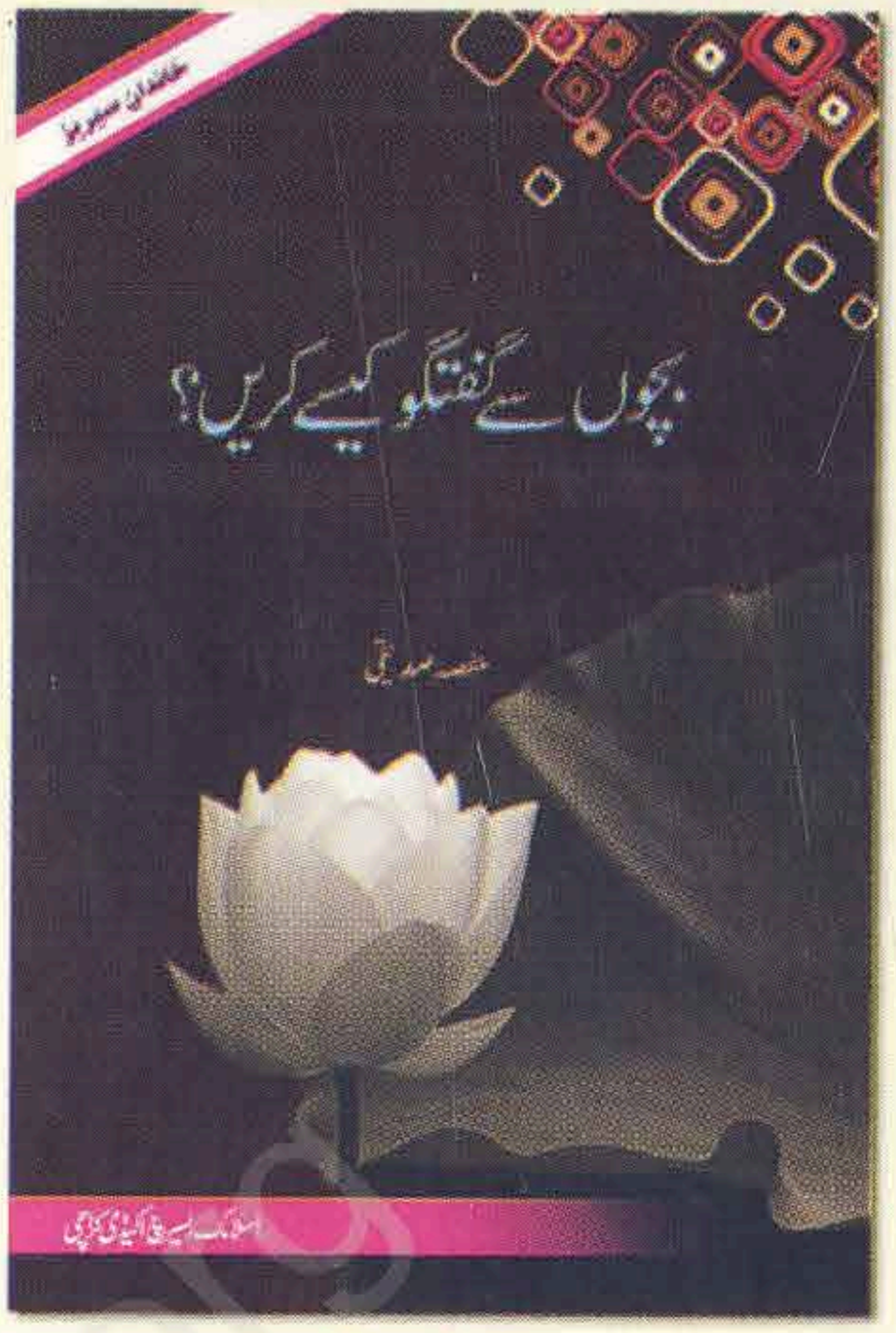

Rs.100

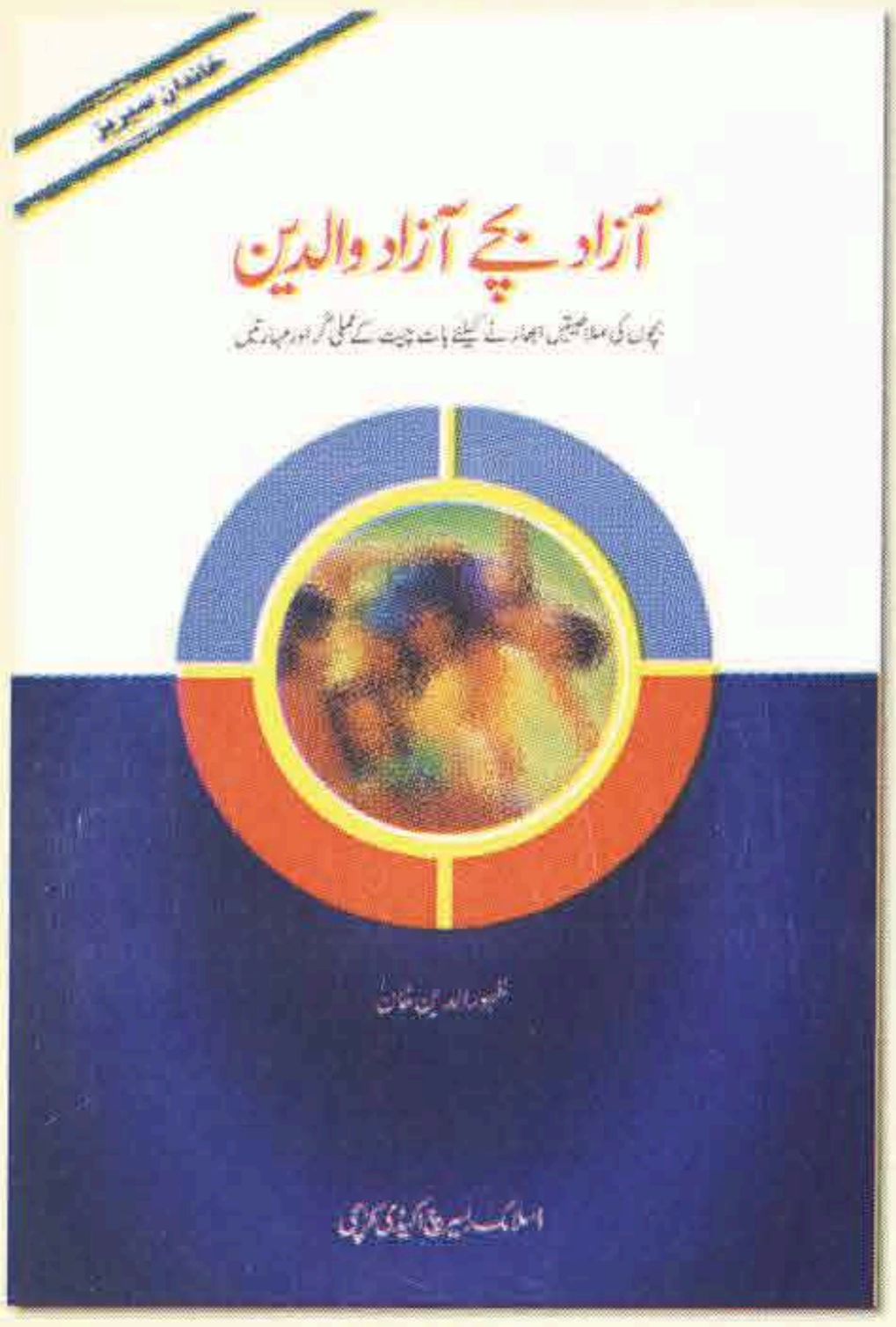

Rs.250

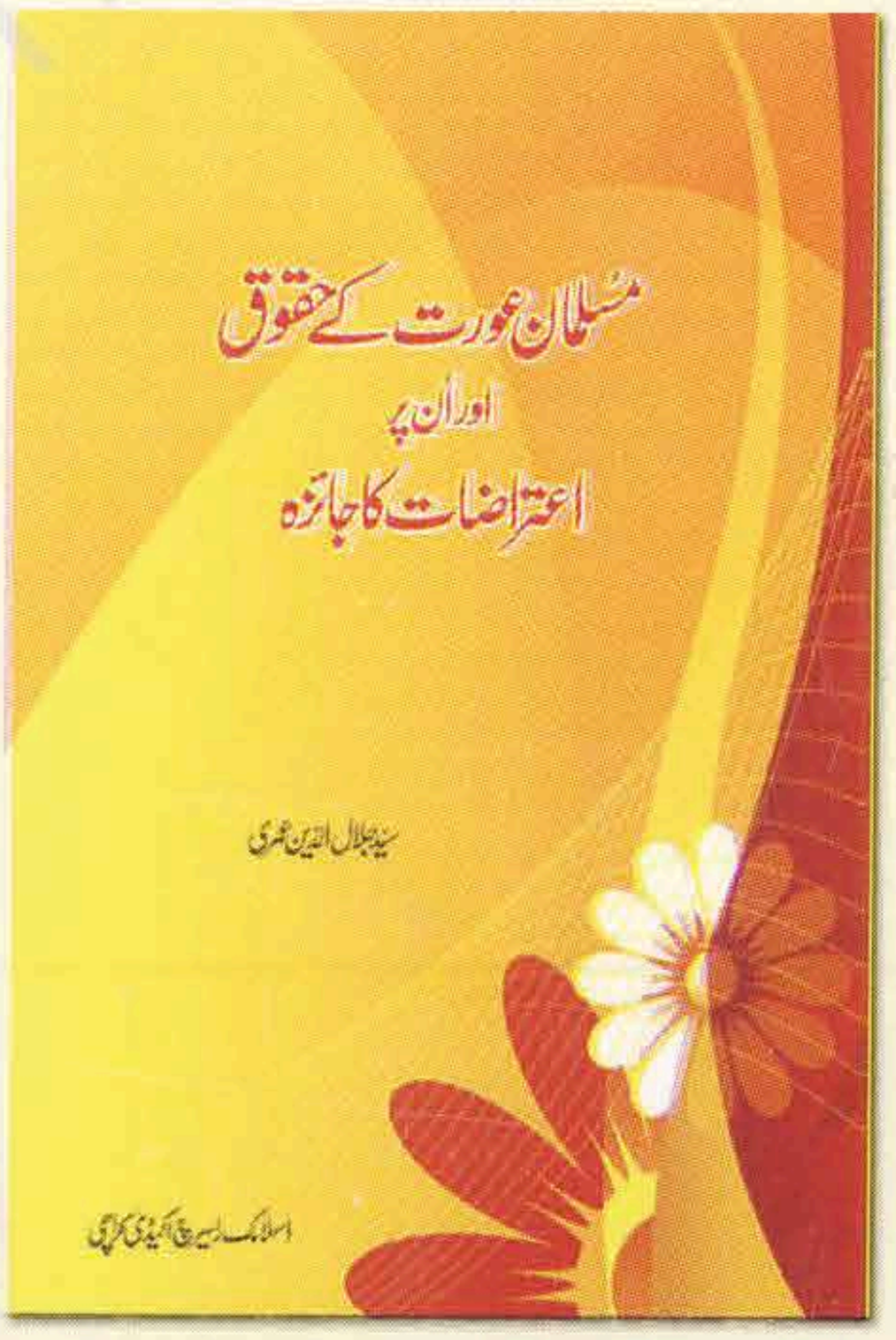

Rs.150

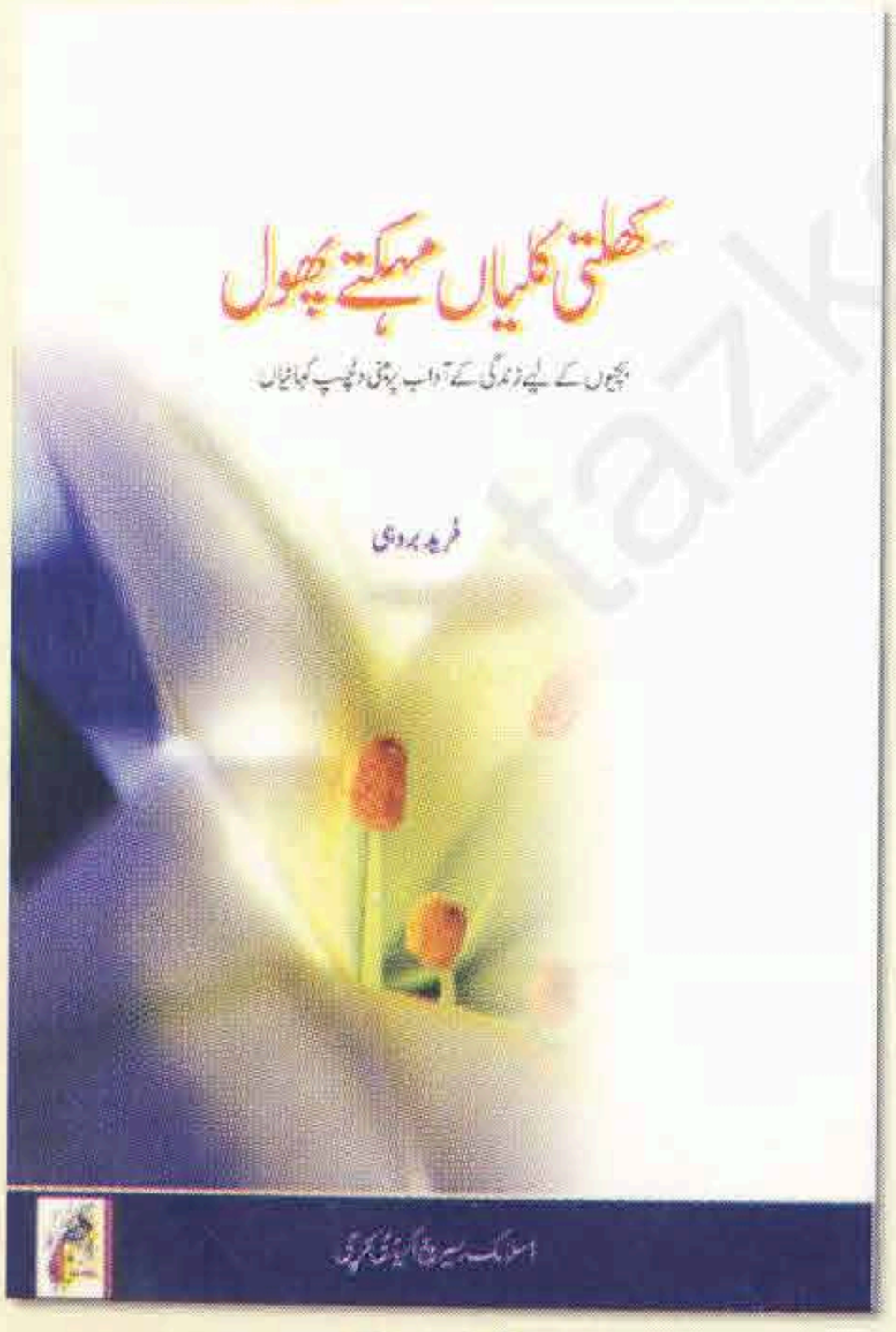

Rs.60

www.irak.pk

ڈی۔۳۵، بلاک۔۵، فیڈرل بی ایریا۔ کراچی۔۷۵۹۵۰
فون:۳۶۸۰۹۲۰۱(۲۱۔۹۲) فیکس:۳۶۳۶۱۰۴۰(۲۱۔۹۲)